خونِ ناحق

www.TaabeerMurtaza.ml

آدیم نقوی

خونِ ناحق

ادیم نقوی

خواہشِ مؤلف

اس بندۂ حقیر کی یہ بھی خواہش ہے کہ رسولؐ وآلِ رسولؐ کی احادیث محکم مبنی بر حقیقت یکجا جمع کر لی جائیں وہ تو بہت کم ہیں اور ایک ہی جلد میں جمع ہو سکتی ہیں۔ یہ کام بھی اہلِ علم واولوالالباب افرادِ قوم کے تعاون باہمی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جناب باری تعالیٰ بہ تصدق محمدؐ وآلِ محمدؐ ہماری قوم کے افراد کو اس کی توفیق عطا فرمائے آمین:۔

وصلوٰۃ والسّلام علیٰ حبیبہٖ و خیر خلقہٖ و آلہ الطاہرین۔

خادمِ خدامِ اہلِ بیتؑ

ادیبؔ نقوی

۲۰ اکتوبر ۱۹۶۸ء

فہرست

خواہشِ مؤلف

اس بندۂ حقیر کی یہ بھی خواہش ہے کہ رسولؐ و آلِ رسولؐ کی احادیث محکم مبنی بر حقیقت یکجا جمع کر لی جائیں وہ تو بہت کم ہیں اور ایک ہی جلد میں جمع ہو سکتی ہیں۔ یہ کام بھی اہلِ علم و اولوالالباب افرادِ قوم کے تعاون باہمی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جناب باری تعالیٰ بہ تصدق محمدؐ و آلِ محمدؐ ہماری قوم کے افراد کو اس کی توفیق عطا فرمائے آمین:۔

وصلوٰۃ والسّلام علیٰ حبیبہٖ و خیر خلقہٖ و آلہ الطاھرین۔

خادمِ خدامِ اہلِ بیتؑ

ادیمؔ نقوی

۲۰ اکتوبر ۱۹۶۸ء

خونِ ناحق

www.TaabeerMurtaza.ml

ادیم نقوی

رُک جانا اور اس کا غائب ہو جانا اس امر کی دلیل تھی کہ اس خونِ ناحق کا انتقام پورا ہو گیا۔ اس سے یہ راز بھی افشا ہو گیا کہ حقیقی قاتل وہی ہوتا ہے جو اس قتل کا باعث اور اصل محرک ہو۔

تسبیحوں کا سُرخ ہونا

اب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہندو پاکستان میں متعدد تسبیحیں سجدہ گاہیں وغیرہ ایسی ہیں جو روزِ عاشورہ سُرخ ہو جاتی ہیں ان پر خونِ تازہ نظر آنے لگتا ہے۔ یہ خونِ ناحق جو تیرہ سو سال سے جوش مار رہا ہے اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ اس کا انتقام ابھی تک پورا نہیں ہوا۔ اس کے قاتلانِ حقیقی ابھی تک روپوش ہیں۔ ناظرین کو تعجب تو ضرور ہو گا کہ اس مظلوم کے قاتلانِ حقیقی جو اس کا اصل سبب اور اصل محرک تھے تیرہ سو سال کیسے باقی رہ سکتے ہیں اور اگر ہیں تو کہاں روپوش ہو سکتے ہیں۔ اس کے جاننے اور سمجھنے کے لئے پہلے آیاتِ قرآنی دیکھیں۔ ارشادِ ربُّ العزت ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ
لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ
لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ
أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝

ترجمہ:۔ (الاعراف۔ آیت: ۱۷۹)

اور البتہ ہم نے بہت سے جنوں اور آدمیوں کو جہنم کے لئے پیدا کیا۔ ان کے دل ہیں اُن سے سمجھتے نہیں۔ اور اُن کی آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں۔ اور ان کے کان ہیں ان سے سُنتے نہیں۔ وہ تو مثل ڈھور ڈنگروں کے ہیں بلکہ ان سے بھی

کہیں زیادہ گمراہ ۔وہ لوگ ہیں جو بالکل غافل ہیں۔

پس جس کے پاس سمجھنے والا دل ہوگا وہ تو سمجھ لے گا کہ حسینؑ مظلوم کے قاتلانِ حقیقی کون ہیں اور اگر دیکھنے والی آنکھیں ہوں گی تو دیکھ لے گا کہ وہ کہاں روپوش ہیں۔ دیکھو، سنو، سوچو اور سمجھو کہ ابنِ زیاد، عمر سعد، شمر و خولی کو امامِ مظلومؑ سے کیا کوئی ذاتی عداوت تھی۔ کیا لشکریانِ یزید کو حسینؑ مظلوم سے کوئی ذاتی دشمنی تھی۔ کیا فوج یزید کے کسی فرد کے دل میں فرزندِ رسولؐ سے کوئی بغض یا کینہ تھا۔ ہر صاحب عقل و ہوش اس کا جواب نفی ہی میں دے گا۔ اب تو ہر وہ شخص جس کے پاس سمجھنے والا دل ہوگا سمجھ سکے گا کہ اس قتل کے محرک کون تھے۔ لیجیے میں گنوائے دیتا ہوں۔

حقیقی قاتل ہوئی و ہوس

حُبِ جاہ یعنی حکومت کی طلب، مال دنیا کی خواہش، زینتِ دنیا کی چاہ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ جناب ربّ العزت نے تو ان خواہشات کی تفصیل بیان فرمادی ہے جو قتلِ فرزندِ رسولؐ کی حقیقی اور اصلی محرک تھیں دیکھیں آیات مندرجہ ذیل:۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝

(آلِ عمران۔ آیت: ۱۴)

ترجمہ:۔

زینت دی گئی لوگوں کے لیے محبت خواہشوں کی (کس کس چیز کی خواہش) بیویوں کی، بیٹوں کی، سونے، چاندی کے بڑے گے

ہوئے ڈھیروں کی۔ عمدہ عمدہ گھوڑوں کی، مویشیوں اور
کھیتوں کی۔ یہ سب ذلیل زندگی (دنیا کی زندگی) کی،
پونجی ہیں۔ اور اللہ اس کے پاس تو بہت اچھا ٹھکانا ہے۔
اگر اور بھی دیکھنا چاہیں تو مزید تفصیل کے لیے سورہ توبہ کی آیت ۲۴ میں دیکھ لیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ
اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ
تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ
اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا
حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۟

ترجمہ:۔ (التوبہ۔آیت: ۲۴)

(اے رسولؐ) کہہ دو اگر تمہارے باپ دادا، اگر تمہارے بیٹے،
اگر تمہارے بھائی، اگر تمہاری بیویاں، تمہارا کنبہ قبیلہ اور وہ مال
جو تم نے جمع کیے ہیں اور وہ تجارت جس میں تم نقصان سے
ڈرتے ہو اور وہ مکان جو تمہیں پسند ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ
اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے (تلوار سے یا نفس سے)
زیادہ پیارے ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا
عذاب نازل کرے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

جس کے پاس سمجھنے والا دل اور دیکھنے والی آنکھیں ہوں گی وہ تو سمجھ لے گا اور دیکھ لے گا
کہ حسینؑ مظلوم کے قتل پر برانگیختہ کرنے والی یہی خواہشات اور ان کی محبت تھی۔ لہٰذا یہی حقیقی
قاتل ہیں۔ یہ تسبیحیں سُرخ ہو کر زبانِ حال سے فریاد کرتی اور دیکھنے والوں کو رسولؐ و آلِ رسولؐ کا

پیغام پہنچاتی رہتی ہیں کہ یہ حقیقی قاتلانِ حسینؑ جو تمہارے دلوں میں پناہ گزین ہیں ان سے جہاد کر کے ان کو اپنی پناہ گاہ سے نکال دو اب بھی وقت ہے۔ اس کو غنیمت سمجھیں اور ان قاتلوں سے انتقام لینے کی کوشش کریں۔ اب تو اس خونِ ناحق کا وارث آنے والا ہے جس کے ظہور کی علامات ظاہر ہو رہی ہیں جب وہ آئے گا تو اپنے جدِ مظلوم کے قاتلانِ حقیقی کو پناہ دینے والوں میں سے ایک فرد کو بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔ سب کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے گا اور بقیۃ اللہ کی تلوار کے مقتولوں کا ٹھکانا سوائے قعرِ جہنم اور کہیں نہ ہوگا۔ اب بھی وقت ہے کہ ان قاتلوں سے جہاد کرنے کے لیے مولائے زمانہ ہی کی نصرت طلب کریں بغیر اس کی نصرت کے ان سے جہاد کرنا ممکن نہیں۔

ہمارے مذہب مروجہ کی تدوین کو تقریباً نو سو برس گزر گئے۔ ہر شخص اپنی عمر میں بے شمار مجالس سنتا ہے مگر کس قدر حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ تمام قوم کی اکثریت کو آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ رسولؐ کی بعثت اور قربانیوں کا مقصد کیا تھا۔

جس کے پاس سُننے والے کان ہوں وہ سُنے جسکے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہوں وہ دیکھے کہ جناب ربّ العزّت نے اپنے کلامِ اقدس میں بعثتِ رسولؐ کا مقصد کیا بتایا ہے۔ دیکھیں حضرتِ ابراہیمؑ کی دعا اور دیگر آیات مندرجہ ذیل:۔

بعثت رسولؐ کا مقصد:

(۱)۔ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِکَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(البقرہ۔ آیت: ۱۲۸، ۱۲۹)

ترجمہ:۔

اے رب ہمارے ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع کامل) بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مسلم بنالے۔۔۔اے رب ہمارے بھیج ان میں ایک رسول ان ہی میں سے جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور اُن کا تزکیہ کرے۔ بیشک تو صاحبِ غلبہ اور صاحبِ حکمت ہے۔

(۲)۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ ط

ترجمہ:۔ (البقرہ۔ آیت:۔ ۱۵۱)

جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسولؐ تم ہی میں سے بھیجا۔ جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرے اور تمہارا تزکیہ کرے۔

(۳)۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ۔۔۔۔

ترجمہ:۔ (آل عمران۔ آیت:۔ ۱۶۴)

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب کہ بھیجا ان میں ایک رسولؐ خود ان ہی کے نفسوں میں سے تاکہ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرے اور ان کا تزکیہ کرے۔

اب سورۂ جمعہ کی یہ آیت بھی دیکھ لیں جو ہر ہفتہ نماز جمعہ میں تلاوت کی جاتی ہے۔

(۴)۔ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا

اعلیہم ایتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتب والحکمۃ ----

ترجمہ:۔ (الجمعہ۔ آیت:۔ ۲)

وہ وہی تو ہے جس نے مکہ والوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ تلاوت کرے ان پر اس کی آیتیں اور ان کا تزکیہ کرے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔

مذکورہ بالا تمام آیات سے یہ امر تو واضح ہو گیا کہ رسول کی بعثت کا مقصد لوگوں کا تزکیہ کرنا ہے۔ مگر یہ ظاہر نہ ہوا کہ کا ہے کا تزکیہ کرنا ہے۔ تو یہ امر آیاتِ مندرجہ ذیل سے واضح ہو جائے گا۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝

ترجمہ:۔ (الیل۔ آیت: ۷ تا ۱۰)

اور قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اسے پورا کیا۔ پس الہام کر دیں اس پر اس کی بدیاں اور نیکیاں، فلاح اس نے پائی جس نے اس کو پاک کیا اور نامراد رہا وہ جس نے اسے دبایا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝

(الاعلیٰ۔ آیت: ۱۴ تا ۱۹)

ترجمہ:۔

فلاح اس نے پائی جو (نفس) پاک ہوا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز قائم کی۔ لیکن تم تو زندگانی دنیا (ذلیل زندگی) ہی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ عاقبت زیادہ اچھی اور زیادہ باقی رہنے والی ہے۔ بے شک یہی بات پہلی کتابوں میں تھی ۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں!

تزکیہ شرک باطن

اب تو جس کے پاس دیکھنے والی آنکھیں اور سمجھنے والا دل ہوگا وہ دیکھ لے گا اور سمجھ لیگا کہ رسولِ کریم کی بعثت کا مقصدِ وحید نفسِ انسان کا تزکیہ کرنا ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تزکیہ سے کیا مراد ہے۔ تزکیہ کے معنی ہیں پاک کرنا۔ تو نفس میں وہ کون سی نجاست ہے جس سے اس کو پاک کرنا ضروری ہے۔ وہ بھی کلامِ پاک نے ہمیں بتا دی ہے۔ ارشادِ جنابِ باری ہے۔ انما المشرکون نجس ۝ (سوائے اس کے نہیں کہ مشرک نجس ہیں) پھر سوال یہ ہوگا کہ شرک کیا ہے۔ تو غیر اللہ کو اس کا شریک ٹھہرانا، متعدد معبود ماننا تو شرکِ ظاہری یا شرکِ جلی ہے۔ اس شرک سے تو انسان خدا کو واحد مان لینے سے نکل جاتا ہے۔ مگر شرکِ حقیقی یا شرکِ باطنی جو شرکِ خفی ہے اس سے نکلنا بہت مشکل ہے۔

اس میں تو ہر شخص گرفتار ہے۔ ہمارے شیعہ بھائیوں کو تو یہ بات بہت گراں ہوگی۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم شرکِ خفی میں مبتلا ہوں تو ان کو چاہیئے کہ رب کا کلام دیکھ لیں اور اس پر اپنے نفس کو پرکھ لیں۔ دیکھیں جناب رب العزت فرماتا ہے،

(۱)۔ قُلْ مَنْ يُنَجِّيْكُمْ مِنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ

تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ○

ترجمہ:۔ (الانعام۔آیت: ۶۳۔ ۶۴)

کہہ دو کون چھٹکارا دیتا ہے تم کو خشکی اور سمندر کی اندھیریوں سے ۔تم اس کو پکارتے ہو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے ۔ اگر ہمیں اس (بلا) سے نجات دے دے تو ہم شکر گزار ہو کر رہیں گے ۔ کہہ دو کہ اللہ ہی نجات دیتا ہے تم کو ان بلاؤں سے اور ہر مصیبت سے ۔ پھر تم مشرک ہو جاتے ہو۔

(۲)۔ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ ۚ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ○

ترجمہ:۔ (النحل۔ آیت: ۵۳ ۔ ۵۴)

جتنی نعمتیں تمہارے پاس ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں پھر تم پر مصیبت پڑتی ہے تو اسی کے آگے فریاد کرنے لگتے ہو ۔ پھر جب وہ تم سے تکلیف کو دور کرتا ہے تو تم میں سے کچھ گروہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔

(۳)۔ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۙ

(العنکبوت۔ آیت: ۶۵)

ترجمہ:۔

پس جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد سے اللہ کو پکارتے ہیں۔ پس جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو فوراً شرک کرنے لگتے ہیں یا مشرک ہو جاتے ہیں۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ (الروم۔آیت:۳۳)

جب لوگوں کو مصیبت آتی ہے تو پکارتے ہیں اپنے رب کو اسی کی طرف پوری رغبت کرتے ہوئے پھر جب وہ ان کو اپنی رحمت کا مزا چکھاتا ہے تو کچھ گروہ ان میں اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔

جس کے پاس دیکھنے والی آنکھیں اور سمجھنے والا دل ہوگا وہ تو دیکھ لے گا اور سمجھ لے گا کہ ان آیات میں ان ہی لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو خدا کو واحد ماننے والے ہیں کہ مصیبت کے وقت تو خدا کو پکارتے ہیں۔ توجہ سے دعائیں کرتے ہیں مگر جیسے ہی مصیبت سے نجات ہوئی کہ پھر مشرک ہو جاتے ہیں۔ ان آیات کو دیکھنے کے بعد یہ امر لازم ہو جاتا ہے کہ جس شرک کا ان میں بیان کیا گیا ہے اس کو سمجھے اور جاننے کی کوشش کریں۔ آیات مذکورہ بالا سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ قریب قریب ہر شخص ہی اس میں مبتلا ہے۔ اسی کو شرک باطنی یا شرک خفی کہتے ہیں۔ اس شرک سے نکلنا بہت دشوار ہے نکلنا تو بڑی بات ہے اس کا تو سمجھنا بھی آسان نہیں۔ اس کو تو وہی شخص سمجھ سکے گا جو سمجھنے والا قلب رکھتا ہو اور اس کے دل میں سمجھنے کی سچی خواہش بھی ہو۔ جس کو دل سے رغبت ہی نہ ہو وہ کیسے سمجھ سکتا ہے۔ اس کو تو خدا بھی ہدایت نہ کرے گا۔ خود ارشاد باری

ہے۔ "ویھدی الیه من اناب" اللہ اسی کو ہدایت کرتا ہے جو رغبت کرے۔ لہٰذا اس طرف توجہ کرنا ضروری ہے یہی وہ نجاست باطنی ہے جو شرکِ حقیقی ہے جس سے پاک ہونے پر فلاحِ دارین حاصل ہوتی ہے۔ اس کے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ کیفیاتِ نفس کا مطالعہ کیا جائے جس کے بغیر اس شرکِ باطنی یا شرکِ خفی کا جو شرکِ حقیقی ہے سمجھنا بھی ممکن نہیں۔

نفس و کیفیاتِ نفس

یہ جان جو ہمارے جسم میں ہے اسی پر زندگی کا انحصار ہے۔ اسی کو نفس کہتے ہیں۔ اس کے پاس حصولِ علم کے پانچ ذرائع ہیں۔ دیکھنا، سننا، چکھنا، سونگھنا اور چھونا۔ یعنی باصرہ، سامعہ، ذائقہ، شامّہ اور لامسہ ان ہی کو حواسِ خمسہ ظاہری کہتے ہیں۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے حواس کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ پس جو کچھ وہ دیکھتا ہے ہر پلک جھپکنے پر اس کی تصویر نفس پر بنتی ہے۔ جو آوازیں وہ سنتا ہے ان کے اثرات کا ذخیرہ نفس میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ جو ذائقے چکھتا ہے ان کے نقوش نفس پر بنتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ہر حس و احساس اور تمام کیفیات کے ذخیرے نفس میں جمع ہوتے چلے جاتے ہیں۔ نفس ہی اس جسم پر عامل اور حاکم ہے۔ قلب کی حرکت، دورانِ خون، معدہ، جگر، آنتوں کا فعل، گردوں اور پھیپھڑوں کے افعال کا یہی فاعل و محرک ہے۔ مگر ان میں سے کسی کام کو خود کرتے ہوئے بھی اس کو خبر نہیں ہوتی کہ میں کچھ کر بھی رہا ہوں یا نہیں۔

اس کے سوائے اس پر غور کریں کہ جب کوئی شخص ہمارے سامنے کسی شے کا نام لیتا ہے تو اُسی شے کی تصویر ذہن میں اُبھرتی ہے۔ مثلاً کوئی کہے "کرسی کرسی" تو کرسی کی تصویر ذہن میں اُبھرتی ہے۔ "ہاتھی ہاتھی" سن کر ہاتھی کی تصویر ذہن میں آتی ہے۔ اسی طرح ذائقہ کی کیفیات ہیں۔ اگر ہمارے سامنے کوئی کہے "کھٹا اُف بہت کھٹا" تو ہر سننے والے کے منہ میں پانی آ جاتا ہے۔ غرضیکہ ہر حس و احساس و کیفیت کا یہی حال ہے۔ اگر آپ کے سامنے کوئی کہے

'اُف میرے سر میں بڑا درد ہے۔ اُف درد'۔ تو غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ سننے والوں کے سر میں خفیف لہر محسوس ہوگی۔ اس تمام بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ جب کوئی شخص گفتگو کرتا ہے تو سُننے والے کا نفس ہر کلمہ کے لیے اسی شے کی تصویر، کیفیت، حسِ یا احساس کے کیف کو اپنے اندر جمع شدہ ذخائر میں سے نکال کر اس سے ملا کر سمجھتا ہے۔ اور ہر دم و ہر لحظہ یہ سب کچھ کرتے ہوئے اس کو خود بھی پتہ نہیں ہوتا کہ میں کچھ کر بھی رہا ہوں۔ اب تو ہر وہ شخص جس کے پاس سمجھنے والا دل ہوگا اور وہ عقل سے کام لینے والا ہوگا سمجھ سکے گا کہ نفسِ انسان بالکل غافل ہے۔ یہ تو اس طرح کام کر رہا ہے جیسے ایک خودکار مشین (AUTOMATIC MACHINE) کام کرتی ہے۔ جیسے مشین کو کچھ خبر نہیں ہوتی اسی طرح اس کو بھی اپنے کسی کام کی خبر نہیں ہوتی۔ یہ ہے اس کی غفلت و لاشعوری جس کے لیے کلام اللہ میں بہت سے مقامات پر ارشاد ہے۔

"فَھُمْ غٰفِلُوْن o" (وہ تو غافل ہیں) **"فَھُم لایشعرون o"** (پس وہ لاشعور ہیں) **الھٰکم التکاثر o احتیٰ زرتم المقابر o** سورۂ تکاثر (تمہیں تو بڑھوتری کی چاہ یعنی ہوس نے ہی غفلت میں رکھا یہاں تک کہ تم قبروں سے ملے) اسی آیت کی تفسیر رسول کریم کی یہ حدیث کرتی ہے۔ **"النّاس نیام اذا ماتو انتبھو"** حضورؐ نے فرمایا (کہ لوگ تو سوئے ہوئے ہیں جب مریں گے تب ہوشیار ہوں گے یا جاگیں گے) اور امیر المومنینؑ نے بھی اس حدیث کو بہ تکرار بیان فرمایا ہے۔ گزشتہ صدی کے آخر تک تمام علماء علم النفس نے اس امر کو تسلیم کر لیا کہ نفسِ انسان اپنے خارج کے لیے نیم شعوری حالت میں ہے مگر اپنے باطن کے لیے مطلقاً لاشعور ہے یعنی بالکل غافل ہے۔ تمام غیر مسلم دنیا حتّٰی کہ دہریہ بھی رسولؐ اسلام کے فرمان کی تصدیق کرنے پر مجبور ہوگئے اور بالاعلان تصدیق کرنے لگے مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ اہلِ بیتؑ سے علمِ قرآن لینے کے مدعی خدا و رسولؐ اور امیر المومنینؑ کے فرمان کی آج بھی تکذیب کر رہے ہیں اور اس زعمِ باطل میں مبتلا ہیں کہ ہم تو غافل نہیں بلکہ ہمارے غیر ہی غافل ہیں اور

اس پر دعویٰ ایمان و حبِ اہل بیت۔ افسوس خدا ان کو ہدایت کرے۔

غفلت ولاشعوری

جب یہ امر واضح ہو گیا کہ نفسِ انسان غفلت تامہ کی حالت میں ہے اور اس کے کچھ سمجھنے اور جاننے کا انحصار اس کے سابقہ حس و احساس و کیفیات پر ہے جن کا اس کو پہلے تجربہ ہو چکا ہو اور جو اس کے اندر جمع شدہ خزانوں میں موجود ہوں ان کے سوائے یہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکتا۔ مثلاً جس شخص نے بادام نہ کھایا ہو تو کیا ممکن ہے کہ کوئی شخص اس کو بادام کا ذائقہ سمجھا سکے یا جس شخص کے بچھو نے نہ کاٹا ہو اس کے سامنے وہ شخص جس کو بچھو نے ڈنک مارا ہو کہے جائے۔ اب یہاں تک چڑھ گیا۔ اُف یہاں تک چڑھ گیا۔ وہ سُننے والا اس سے کچھ سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اب تو جس کے پاس سمجھنے والا دل ہو گا وہ ہی سمجھ سکے گا کہ جب خدا، ملائکہ، نور، جنت، دوزخ، اعراف، صراط اور تمام متعلقات علم غیب کا نفس کو کبھی احساس ہی نہیں ہوا تو ان کے متعلق یہ کچھ کیسے سمجھ سکتا ہے یہ تو محالِ عقلی ہے۔ پھر اس کو غیب پر یقین کیسے ہو سکتا ہے۔

جب نفسِ انسان غافل سویا ہوا ہے اور اس کی حالت مشی فی النوم کے مریض جیسی ہے کہ مرض کے دورے کی حالت میں سوتے میں کھڑا ہو جاتا ہے، چلتا پھرتا ہے، باتیں کرتا ہے، کام کرتا ہے، مگر جب دورے سے افاقہ ہوتا ہے تو اس کو اپنے کسی قول و فعل کی جو دورے کی حالت میں اس نے کہے یا کئے مطلق خبر نہیں ہوتی۔ کوئی بات بھی اس کو یاد نہیں ہوتی۔ اسی طرح نفسِ انسان نے غفلت میں اور سوئے ہوئے ہونے کی حالت میں جو خدا و رسولؐ و آلِ رسولؐ، جنت، دوزخ، میزان، صراط، حساب کتاب، قیامت وغیرہ کو مان رکھا ہے اور انسان یقین کیے ہوئے ہے کہ میں ایمان لے آیا ہوں تو یہ عقائد کس کام کے ہیں جب موت کے وقت ہوش آئے گا تو کچھ بھی مانا ہوا نہ ہوگا۔ جیسا کہ فرمانِ رسولِ کریمؐ ہے۔ **النّاس نیامٌ اذا ماتو**

انتبھوا (لوگ تو سوئے ہوئے ہیں جب مریں گے تب ہوشیار ہوں گے)۔اب بھی فرصت کو غنیمت شمار کر کے تعلیمِ اہلِ بیتؑ پر عمل کریں جو انہوں نے اس غافل نفس کو غفلت سے جگانے کے لئے تعلیم کی ہے۔

شہوات وھویٰ

اس غفلت ولاشعوری کی حالت میں نفسِ امارہ میں خواہشات کی لہریں اُٹھتی رہتی ہیں۔ مثلاً بھوک، پیاس، نیند کی خواہش، آرام کی خواہش۔ جب تک کسی خواہش کا تعلق خارج سے نہ ہو، وہ مفرد خواہش ہے۔ ایسی خواہشات کو قرآن میں شہوات کہا گیا ہے۔ اب ایک مثال پر غور کریں۔ اگر کسی غافل سوئے ہوئے آدمی کے تنکا چبھوئیں تو سوتے میں اس کا ہاتھ وہیں آتا ہے۔ اسی طرح اس غافل نفس کو خارج سے جو احساس ہوتا ہے اس کے ردِعمل کے طور پر اس پر جذبہ طاری ہوتا ہے۔ مثلاً کسی نے کوئی ناگوار بات کہی۔ غصّہ آگیا۔ فوراً بولنے لگا یا کوئی حرکت کرنے لگا۔ یا مثلاً کوئی پھول یا کوئی کھانے کی شے دیکھی یا اس کی خوشبو آئی یا اس کا خیال آیا فوراً اس کے کھانے کی خواہش پیدا ہوگئی۔پس ایسی خواہشات کو جن کا تعلق خارج سے ہو قرآنِ کریم میں ھَویٰ کہا گیا ہے۔ ہم ان میں امتیاز کرنے کے لیے مفرد خواہش کو محض "خواہش" اور مہیج خارجی سے پیدا ہونے والی خواہش کو "جذبہ" کہہ سکتے ہیں۔

نفسِ انسان کی فطرت ہے کہ یہ میری خواہش وجذبہ کی فوری تسکین چاہتا ہے۔ ہر بچّہ یہی خواہش لیے ہوئے پیدا ہوتا ہے کہ میں جو کچھ چاہوں فوراً ہوجائے لہٰذا کسی خواہش یا جذبہ کی لہر اُٹھنے پر یہ انسان کو سوچنے، غور کرنے، عقل سے مشورہ کرنے کی مہلت ہی نہیں دیتا۔ اگر سوچنے دیتا ہے تو صرف یہ کہ اس خواہش یا جذبہ کی تسکین کیسے کروں؟ کیا ذریعہ اختیار کیا جائے کہ جلد سے جلد اس کو تسکین ہو سکے؟ یہ تو جسم پر ہر وقت حکم چلاتا رہتا ہے وہ تو بس اپنی ہویٰ کی تسکین چاہتا ہے اور انسان بے سوچے سمجھے بے چون وچرا نفس کے احکام کی تعمیل کرتا رہتا ہے

اور بے سوچے سمجھے، بے چون و چرا جس کے احکام کی تعمیل لازم ہے وہ تو صرف معبودِ حقیقی ہی کی ذاتِ اقدس ہے۔ یہ منزلت تو اسی کے لیے خاص ہے۔ اسی سبب سے بے سوچے سمجھے، بے چون و چرا ہوائے نفس کی پیروی کو جناب باری تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں شرک سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آیاتِ مندرجہ ذیل سے واضح ہوتا ہے۔

اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰهُ

ترجمہ:۔ (الجاثیہ۔ آیت: ۲۳)

(اے رسولؐ) کیا تم نے اس کو دیکھا جس نے اپنی ہوائے نفس کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے۔

اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰهُ اَفَاَنۡتَ تَكُوۡنُ عَلَیۡهِ وَكِیۡلًا ۝

ترجمہ:۔ (الفرقان۔ آیت: ۴۳)

(اے رسولؐ) کیا تم نے اس کو دیکھا جس نے اپنی ہوائے نفس کو اپنا الٰہ بنایا ہوا ہے۔ پس تم اس کے امور کے درست کرنے والے کیسے ہو سکتے ہو۔

مذمت اتباعِ ہوئی

ان آیات سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ جو لوگ بے سوچے سمجھے، بے چون و چرا ہوائے نفس کی پیروی کرتے رہیں ان کو رسولؐ کی رسالت سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ خدا و رسولؐ کو زبانی مان لینے اور عقائد کو تسلیم کر لینے سے ان کے دنیا و آخرت کے امور کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ کلام اللہ میں تیس سے زائد آیات ایسی ہیں جن میں شہوات یا ہوئی کی بے سوچے سمجھے پیروی کرنے

کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ مثلاً

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَهَى النَّفْسَ
عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ○

ترجمہ:۔ (النّٰزِعٰت ۔ آیت: ۴۰۔۴۱)

اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے
ڈرا اور اپنے نفس کو جذبات سے روکتا یا
ٹوکتا رہا پس اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا

ترجمہ:۔ (النسآء ۔ آیت: ۱۳۵)

پس ہوائے نفس کی پیروی نہ کرو کہ انصاف سے عدل کرو۔

سورۂ اعراف کی آیت نمبر: ۱۷۶ دیکھیں کہ اس میں درمیانی دو فقرے یہ ہیں۔

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ

ترجمہ:۔ (الاعراف ۔ آیت: ۱۷۶)

اور اس نے اپنی ہوائے نفس کی پیروی کی
پس اس کی مثال کتے جیسی مثال ہے۔

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

ترجمہ:۔ (ص ۔ آیت: ۲۶)

پس ہوائے نفس کی پیروی نہ کرو کہ تمہیں اللہ کے
راستے سے ہٹا دے گی۔

غرضیکہ کلام پاک میں تو بہ کثرت آیات ایسی ہیں جن میں شہوات و ہوئی کی پیروی کی

ممنت یا ممانعت وارد ہوئی ہے اور اس کے متعلق احادیث بھی بہ کثرت وارد ہوئی ہیں۔ جناب امیر المومنین سید العارفین کا فرمان ہے۔

۱۔ انّ اکبر معبودٍ عبد فی الدنیا الھویٰ (سب سے بڑا معبود جس کی دنیا میں عبادت کی جاتی ہے ہوائے نفس ہے)۔ ایک تو یہ مشہور حدیث ہوئی اب اور احادیث بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ فرمایا امیر المومنینؑ نے ''سب سے زیادہ احمق وہ شخص ہے جو نفسانی خواہش کا تابع ہو'' ۔۔۔(تا آخر) (تفسیر منسوب بہ امام حسن عسکری کا ترجمہ آثار حیدری۔ صفحہ نمبر: ۳۳)

۳۔ از حضرت صادق علیہ السّلام '' اھدِ ناَ الصِّرَ اطَ الْمُستَقِیم '' کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں راہ راست کی طرف رہبری کرے۔ اور نفسانی خواہشات کی پیروی اور متابعت اور اپنی ناقص راؤں پر چلنے سے جو ہماری ہلاکت و عذاب کا باعث ہیں باز رکھے۔ (آثار حیدری صفحہ: ۳۹)

۴۔ حضرت صادق علیہ السّلام نے فرمایا۔ اپنی خواہشات سے اس طرح بچو جیسے دشمن سے بچتے ہو۔ (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد: ۲ صفحہ: ۳۵۱)

۵۔ از امیر المومنین علیہ السّلام '' میں دو باتوں سے تم کو ڈراتا ہوں ایک خواہش کی پیروی دوسرے امیدوں کا پھیلاؤ'' ۔ (الشافی جلد: ۲ صفحہ: ۳۵۲)

۶۔ نفاق کے چار ستون ہیں۔ پیروئ نفس۔ (تا آخر) ۔۔۔ (الشافی جلد: ۲ صفحہ: ۴۰۱)

۷۔ جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے۔ '' اگر کوئی بندہ اپنی ہوئی (خواہشات و جذباتِ نفس) کو میری ہوئی (یعنی خواہش یا مرضی) پر ترجیح دیتا ہے تو میں اس کے امر کو پراگندہ کر دیتا ہوں اور دنیاوی معاملات میں پھنسا دیتا ہوں اس کا دل دنیا کی طرف لگا دیتا ہوں'' ۔ (الشافی جلد: ۲ صفحہ: ۳۵۱_۳۵۲)

کہاں تک لکھوں۔ اگر رسولؐ کریم اور آئمہ طاہرین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وہ احادیث جمع کی جائیں جن میں خواہشات و جذبات نفس کی بے سوچے سمجھے تسکین کرنے کی ممانعت یا مذمت کی گئی ہے تو صفحے کے صفحے بھر جائیں۔ اسی کو شرک باطنی یا شرک خفی کہا گیا ہے۔

میں ناظرین کو خونِ حسینؑ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا آپ نے تمام عمر میں کسی مجلس میں کسی عالم کی تقریر میں کبھی ان آیات و احادیث کا ذکر سنا ہے؟ سنا کیا کبھی کسی واعظ نے شہوات و ہوئی کے معنی بیان فرمائے ہیں؟ کیا کسی عالم نے اپنی کسی تصنیف میں اس کا اظہار فرمایا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں اور شاذ و نادر جن علماء عارفین نے اس پر تصانیف کی ہیں ان کا کبھی نام بھی نہیں سنا جاتا۔ بھلا جو خود ہی "ھویٰ" پرستی میں غرق ہوں وہ دوسروں کو ہوئی کے متعلق کچھ کیسے بتا سکتے ہیں۔ بلکہ وہ تو بتانے کی بجائے غلط مفہوم ظاہر کر کے گمراہ کرنے کی سعی فرماتے رہتے ہیں۔ مثلاً مولوی فرمان علی صاحب نے کتنی ہی آیات کے ترجمہ میں ہوئی کا ترجمہ ناجائز خواہش کیا ہے۔ صرف ایک آیت ہی دیکھ لیں۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۙ

(النزعٰت۔ آیت: ۴۱_۴۰)

ترجمہ:۔

مگر جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا اور جی کو ناجائز خواہشوں سے روکتا رہا اس کا ٹھکانا یقیناً بہشت ہے۔

مگر جب مندرجہ ذیل آیت کا ترجمہ لکھتے ہیں تو اس میں "لَا تَهْوٰىٓ اَنْفُسُكُمْ" کا ترجمہ نہ لکھ سکے کہ "ناجائز خواہش نہ کرتے تھے نفس تمہارے" اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ (ترجمہ۔فرمان علی) (البقرہ۔ آیت: ۸۷)

جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس تمہاری خواہشِ نفسانی کیخلاف کوئی حکم لے کر آیا تو تم اکڑ بیٹھے۔ پھر تم نے بعض پیغمبروں کو تو جھٹلایا اور بعض کو جان سے مار ڈالا۔

ہوئی کے گمراہ کن تراجم

اُصولِ کافی کے مترجم صاحب نے الشافی میں یعنی ترجمہ میں کتنی ہی احادیث میں ہوئی کا ترجمہ ''بُری خواہش'' یا ''خواہشِ بد'' تحریر فرمایا ہے۔ مگر جب اس حدیثِ قدسی پر پہنچے جو اوپر مذکور ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جب کوئی بندہ اپنی ہوئی کو میری ہوئی پر ترجیح دیتا ہے'' یہاں اللہ تعالیٰ کی بری خواہش یا خواہشِ بد کیسے لکھ سکتے تھے''۔ یہاں تو مجبوراً خواہش اور مرضی ہی ترجمہ کرنا پڑ گیا۔ اسی طرح یہ حضرات الفاظ کے غلط مفاہیم بتا کر لوگوں کو گمراہی میں ڈالتے رہتے ہیں۔

اب تو ہر صاحبِ عقل جس کے پاس سمجھنے والا دل ہوگا سمجھ سکے گا کہ نفسِ انسان کے شرک میں مبتلا رہنے کا باعث اس کی غفلت اور لاشعوری ہی ہے یہی دنیا و آخرت میں اس کے امور کی خرابی اور اس کی ہلاکت و تباہی کا باعث ہے۔ یہی وہ نجاست ہے جس سے بندوں کے نفسوں کو پاک کرنے کیلئے ربّ العزّت نے اپنے محبوب کو رسولؐ بنا کر بھیجا۔ سوائے اس شخص کے جو رسولؐ وآلِ رسولؐ کی تکذیب کرنے والا ہوگا اور کوئی فرد ایسا نہیں ہو سکتا جو اس سے انکار کر سکے۔

اس رسالہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ اس کی تفصیل لکھ سکوں کہ غفلت ولاشعوری سے دنیا کی

مادّی زندگی میں کس قدر سخت نقصانات پہنچتے ہیں۔ تمام جانی ومالی نقصانات اچانک اموات وغیرہ کا سبب بھی غفلت ولاشعوری کی نجاست ہی ہوتی ہے اور یہی ہلاکتِ اخروی اور عذابِ دائمی کا باعث ہے۔ اس غفلت کی حالت میں اس کا سب سے بڑا عیب خود فریبی ہے کہ یہ خود اپنے آپ ہی کو دھوکا دیتا رہتا ہے۔ سب سے بڑا دھوکا یہ عقائد مذہبی کے متعلق دیتا ہے اس معاملہ میں ہمیشہ خود فریبی میں مبتلا رہتا ہے۔ اگر کیفیاتِ نفس پر ذرا بھی غور کریں تو اسکی خود فریبی کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے پس جو جہنم کے لئے پیدا نہیں کیے گئے اور ان کے پاس سننے والے کان، دیکھنے والی آنکھیں اور سمجھنے والے دل ہیں وہ تو حق سُننے، حق دیکھنے اور حق کو سمجھنے کی کوشش کریں گے تاکہ نفس امّارہ کے فریب کو سمجھ کر دنیا وآخرت کی تباہی و ہلاکت سے محفوظ رہ سکیں۔

سُننے، دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ ہر بچّہ کے نفس میں خواہ کہیں پیدا ہوا ہو یہ خواہش ہوتی ہے کہ جو چاہوں فوراً ہو جائے۔ اگر اس کی خواہش کی فوری تسکین نہیں ہوتی تو روتا ہے، مچلتا ہے، بے چین ہوتا ہے۔ جب تک اس کی خواہش پوری نہ ہو جائے بے چین ہی رہتا ہے۔ تقریباً تین سال کے سِن میں اس کو انانیت کا احساس ہوتا ہے یعنی وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ دنیا کی تمام چیزوں سے علیحدہ میں بھی ایک وجود ہوں۔ اسی وقت خواہش بقا شعور میں آتی ہے اور وہ ہمیشہ باقی رہنا چاہتا ہے۔ لہٰذا فنا سے ڈرتا اور نفرت کرتا ہے۔ خواہشات وجذبات کی تسکین سے اس کو لطف آتا ہے اور سرور حاصل ہوتا ہے۔ ان کی تسکین نہ ہونے سے اذیت ہوتی ہے اور اضطراب لاحق ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ اگر میری خواہشات وجذبات کی تسکین نہ ہوتی رہی تو فنا ہو جاؤں گا۔ اس لیے تمام وہ ذرائع جن کو تسکین جذبات کا ذریعہ سمجھتا ہے محبوب ہو جاتے ہیں۔ اہلِ فہم مفکرین کے لیے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ محبت جو اس کو خارجی اشیاء یا اشخاص سے ہو جاتی ہے دراصل اپنی خواہشِ بقا کی محبت ہے۔ اس کو تو بس اپنا "میں" پیارا ہوتا ہے۔

احساسِ مذہب کی ابتداء

بچہ ابتداء میں اپنے تربیت کرنے والوں کو اپنی ہر خواہش و جذبہ کی تسکین کا ذریعہ جانتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ لوگ میری ہر خواہش کو پورا کر سکتے ہیں اور ہر شے پر قادر ہیں لہٰذا ان سے اس کو شدید محبت ہو جاتی ہے اور ان میں جو کمالات دیکھتا ہے مثلاً چلنا، پھرنا، بولنا، کھانا وغیرہ ان کے حصول کی اس کے نفس میں طلب پیدا ہو جاتی ہے پس ان کی ہر حرکت و سکون کی نقل کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے اور محبتِ حقیقی کی یہی تعریف ہے کہ ''محبت اس جذب و کشش کو کہتے ہیں جو ناقص نفس کو کامل کی طرف پیدا ہو بغرض حصول کمال جو اس میں دیکھتا ہے۔'' پس بچہ کے نفس میں اپنے تربیت کرنے والوں کی حقیقی محبت پیدا ہو جاتی ہے جس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ ایسے شخص سے جس سے ہلا ہوا ہو جدا ہو جائے تو اس کی نگاہیں اس کو تلاش کرتی رہتی ہیں اس کا دل اس کی یاد میں تڑپتا ہے۔ اگر بچہ کے سینہ پر کان لگائیں اور اس کے محبوب غائب کا نام لیں تو محسوس ہو گا کہ اس کے دل میں لرزہ اور تڑپ ہوتی ہے۔ دل کی حرکت تیز ہو جاتی ہے۔ مگر جب وہ خود چلنے پھرنے لگتا ہے اور کھانا پینا اور تمام وہ کام جو زندگی گذارنے کے لیے ضروری ہیں بڑوں کی نقل کرتے کرتے سیکھ جاتا ہے اور کوئی مزید کمال اس کو ان میں ایسا نظر نہیں آتا جس کی احتیاج کا اس کو احساس ہو تو محبت حقیقی کی وہ کیفیت بھی باقی نہیں رہتی۔ پھر تو میرا میری کی عرفی محبت رہ جاتی ہے یعنی میرا باپ، میری ماں، میرا بھائی، میری بہن وغیرہ۔ جو حقیقتاً اپنی خواہشِ بقا اور اپنی ''میں'' کی محبت ہے نہ کہ کسی خارجی ذات کی کہ وہ اپنے سوائے غیر کی محبت نہیں ہوتی۔ غرضیکہ بچے کو اپنے تربیت کرنے والوں سے اسی لیے محبت ہوتی ہے کہ ان کو ہر شے پر قادر جانتے ہوئے یہ سمجھتا ہے کہ ان کے ذریعہ سے میری ہر خواہش کی تسکین ہو سکتی ہے اور اس طرح ان کو اپنی بقا کا ذریعہ جانتا ہے مگر جب دیکھتا ہے کہ بہت سے امور میں یہ بھی عاجز ہیں تو اس کے نفس میں کسی ایسی ہستی کی طلب پیدا ہوتی ہے جو ہر شے پر قادر ہو، جس کے

ذریعے سے ہر خواہش وجذبہ کی تسکین ہو سکے جو میری بقا کا ذریعہ ہو جائے۔ پس جب اپنے تربیت کرنے والوں کو کسی غائب ہستی کی طرف رجوع کرتے، ان سے حاجات طلب کرتے، دعائیں مانگتے دیکھتا اور سُنتا ہے مثلاً اے پرمیشور کرپا کرو، اے رام دیا کرو، یا علیؑ مشکل کو حل کرو، یا حسنؑ یا حسینؑ، او گاڈ، اے مسیحؑ کرم کرو۔ یا اللہ رحم کر، وغیرہ وغیرہ۔ تو فوراً اس کی توجہ جذب ہوتی ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ او ہو یہ ہیں جو ہر شے پر قادر ہیں۔ ان کے ذریعہ سے ہر خواہش کی تسکین ہو سکتی ہے۔ پس اس کو ان اسماء سے محبت ہو جاتی ہے اور یہ سُنے سنائے نام یاد کر لیتا ہے اور تکلیف کے وقت خود بھی پکارنے لگتا ہے۔ یہاں اس سے یہ غلطی ہو جاتی ہے کہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ ہستی جو ہر شے پر قادر ہے مجھے مل گئی جس سے اس فطری طلب کی تسکین ہو جاتی ہے اور یہیں سے احساسِ مذہب کی ابتدا ہوتی ہے۔ پھر جو کچھ ماں باپ، عزیز واقارب سے مذہب کے بارے میں سنتا ہے، جو رسم ورواج دیکھتا ہے جو عقائد ماحول کے ہوتے ہیں ان کے نقوش غیر ارادی اور لاشعوری طور پر ہی اس کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ وہ کسی مذہبی عقیدے کو ارادی طور پر تو سمجھنے یا قبول کرنے کی کوشش نہیں کیا کرتا۔ اب یہ اس کا "میرا مذہب" ہو جاتا ہے۔

مذہب کی محبت

یہ امر تو ناظرین پر واضح ہو چکا ہے کہ نفسِ انسان اضطرار کو باعثِ فنا اور لطف وسرور کو سببِ بقا جانتا ہے۔ تسکین خواہشات سے اس کو سرور ہوتا ہے لہٰذا تمام ان چیزوں یا اشخاص کو جن سے اس کی "میں" کا تعلق ہو اور جن کو تسکین خواہشات کا ذریعہ جانتا ہو اپنی بقا کا باعث سمجھتا ہے۔ لہٰذا وہ تمام اس کو محبوب ہو جاتے ہیں مثلاً مال ودولت، اسباب معیشت، جائداد، مکانات، مویشی، عزیز واقارب، اولاد وازواج، قوم وقبیلہ وغیرہ۔ ان ہی میں "میرا مذہب" اور رسم ورواج مذہب بھی شامل ہیں۔ "میرا مذہب" تو اس کو اتنا عزیز ہوتا ہے

کہ بعض اوقات اس پر جان تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ "میرے مذہب" کی ایسی شدید محبت کی ایک خاص وجہ ہے جس کی اجمالی تفسیر حسب ذیل ہے:۔

نفسِ انسان کو مال و دولت جائداد، اسباب، اولاد وازواج، عزیز واقارب وغیرہ اسی لیے محبوب ہوتے ہیں کہ ان کو تسکینِ جذبات اور نتیجہ میں دفع اضطرار کا ذریعہ سمجھتے ہوئے اپنی بقا کا وسیلہ جانتا ہے۔ مگر جب کوئی نا قابل تلافی نقصان ہو جاتا ہے یا بحالتِ بیماری جب اضطرار لاحق ہوتا ہے تو یہ تمام ذرائع دفع اضطرار کے لیے مفید نہیں ہوتے۔ مثلاً مریض کو جب اضطرار لاحق ہوتا ہے تو یہ تمام محبوب اشیاء وافراد اس کا اضطرار دفع نہیں کر سکتے۔ اس وقت تسکین کی صرف دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

ایک یہ کہ مریض کی توجہ اس کے باطن کی طرف سے ہٹائی جائے اور کسی خارجی مرکز کی طرف توجہ جذب کرنے کی کوشش کی جائے جس کو خیال بٹانا کہتے ہیں۔

دوسرا امر یہ کہ آئندہ کی فلاحِ عاجل کی امید دلائی جائے مثلاً مریض سے کہیں کہ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں فلاں شخص بڑا حاذق طبیب ہے۔ اس بیماری کے بہت سے مریض اس کے علاج سے شفا پا چکے ہیں آج ہم اس کو بلاتے ہیں۔ تم کو انشاءاللہ بہت جلد شفا ہو جائے گی۔

ایک اور مثال بھی دیکھ لیں۔ ایک شخص دورانِ ملازمت بہت کفایت سے گذر کر کے کچھ رقم پس انداز کرتا ہے تاکہ پنشن ہو جانے پر کوئی جائداد یا مکان خرید سکے۔ جب پنشن لے کر گھر آتا ہے تو سرمایہ چوری چلا جاتا ہے۔ اب جو اس کو اضطرار لاحق ہوگا اس کے دفعیہ کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ نشہ آور ادویہ کا استعمال یا پیر جی کا بتلایا ہوا وظیفہ جس سے اس کی توجہ جذب ہو سکے۔

۲۔ یا پولیس کی یقین دہانی کہ مال جلد مل جائے گا یا کسی دوست کا یہ کہنا کہ میں چاندی بنانا جانتا ہوں۔ تمہیں بھی سکھا دوں گا۔

ان ہر دو مثالوں سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جب ایسا اضطرار لاحق ہو کہ تمام اسباب تسکینِ جذبات دفعِ اضطرار میں ناکام ہو جائیں۔ اس وقت سکون پیدا کرنے یا اضطرار دفع کرنے کے دو ذریعے ہی ہو سکتے ہیں۔ ایک جذبِ توجہ کہ نفس کے باطن سے اس کی توجہ کسی اور طرف جذب کی جائے۔ دوسرا یہ کہ اس کو فلاحِ عاجل کی امید دلائی جائے اور یہ دونوں چیزیں "میرا مذہب" بلا کدوکاوش مہیا کر دیتا ہے۔ یعنی مایوسی و اضطرار میں پیشوایانِ دین یا معبودوں کے نام جو بچپن سے سُنے ہوئے ہوتے ہیں اس کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں اور ان ہی ناموں سے اس کی دُنیا و آخرت کی امیدِ فلاح بھی وابستہ ہوتی ہے۔ لہٰذا "میرا مذہب" اس کو نہایت محبوب ہوتا ہے۔ اب یہ راز تو ناظرین پر واضح ہو گیا کہ "میرا مذہب" کے جذبہ کی تسکین کے لیے جو بھی اعمال و افعال یہ کرتا ہے سب بندگیِ نفس اور ہوٰی پرستی ہی ہوتی ہے۔ البتہ یہی اعمال اگر درست ہو جائیں اور ان میں خلوص پیدا ہو جائے تو ہوٰی پرستی اور شرکِ باطنی سے نکال کر نورِ ایمان تک پہنچانے کا باعث ہو جاتے ہیں اور حالتِ اضطرار میں اگر مرکزِ توجہ حقیقی اور صحیح ہو مفروضہ اسماء نہ ہوں تو اس وقت کی توجہ رحمتِ ایزدی سے قرب کا باعث ہو جاتی ہے۔

اب تو ہر شخص جس کے پاس دیکھنے والی آنکھیں اور سمجھنے والا دل ہو گا سمجھ سکے گا کہ نفسِ انسان کے شرکِ باطنی میں ملوث رہنے اور دُنیا و آخرت کے خسارے اور نقصان کا باعث اور حق کو نہ سمجھنے کی علت اس کی غفلت و لاشعوری ہی ہے جس کے باعث تمام عمر خود فریبی میں رہتے ہوئے یقین کیے رہتا ہے کہ "میں خدا اور رسولؐ پر ایمان لے آیا ہوں۔ میں محبِ اہلِ بیتؑ ہوں۔ میرا مذہب ہی حق ہے۔ میں جنت کا مستحق ہوں۔ مجھ پر جنت واجب ہو گئی ہے"۔ اسی خیال سے کانوں پر اور دلوں پر مہر ہو جاتی ہے اور آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے اور وہ آیات واحادیث اس کو نظر نہیں آتیں جن میں مومن اور محبِ اہلِ بیتؑ کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ اسی غفلت و لاشعوری کی نجاست سے نفوسِ خلقت کو پاک کرنے کے لئے خدا نے اپنے محبوب کو

جو افضل ترین خلائق ہے اپنا رسولؐ بنا کر دُنیا میں بھیجتا تا کہ وہ نفوسِ خلقت کا تزکیہ کرے۔ سوئے ہوئے نفسوں کو جگائے جس سے ان کو وجودِ باری کا یقینِ قلبی حاصل ہو جو دُنیا و آخرت میں فلاح و بہبود کا باعث ہو جائے۔

وجودِ باری کا یقینِ قلبی

بعض نافہم ضرور خیال کریں گے۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہمیں وجودِ باری کا یقینِ قلبی حاصل نہ ہو۔ ہم تو جانتے ہیں اور ہمیں صدقِ دل سے اس کا یقین ہے کہ اس عالم کا پیدا کرنے والا کوئی ضرور ہے۔ یہ سورج، چاند، ستارے، زمین و آسمان خود بخود پیدا نہیں ہو سکتے۔ ان کا کوئی خالق حکیم قادر مطلق ضرور ہے۔ ایسا کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ہمیں وجودِ باری کا یقینِ قلبی حاصل نہ ہو۔ ہم تو اس پر صدقِ دل سے ایمان لائے ہیں۔

ایسے حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ جس ذاتِ اقدس پر دل سے ایمان و یقین رکھنے کے مدعی ہیں۔ خود اسی کا فرمان دیکھ لیں۔ وہ تو فرماتا ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ----------(تا آخر آیت)

ترجمہ:- (النساء آیت۔۱۳۶)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ایمان لے آؤ۔ اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسولؐ پر نازل کی----------(تا آخر)۔

ایمان بالقلب

اس آیہ وفی ہدایہ میں ان ہی لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے جو یہ سمجھتے تھے کہ ہم ایمان لے

آئے ہیں ہمیں خدا کے وجود کا یقین قلبی حاصل ہے ہم مومن ہیں۔ ان ہی سے کہا جارہا ہے کہ یہ تو زبانی ایمان ہے دل سے بھی ایمان لے آؤ۔ معترض کہہ سکتا ہے کہ آیت میں تو زبان ودل کا کہیں ذکر ہی نہیں تو دوسری آیت بھی دیکھ لیں جس میں دل اور زبان دونوں کا ذکر ہے۔ دیکھیں ارشادِ رب العزت ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوٓا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ ۛ ــــــــــــــــــ (تا آخر)۔

ترجمہ:۔ (المائدہ: آیت۔ ۴۱)

اے رسولؐ تم ان لوگوں کے لیے غم نہ کھاؤ جو جلدی کرتے ہیں کفر میں ان لوگوں میں سے جنھوں نے اپنے منہ سے تو کہا ہے کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے۔

اس آیت میں تو دل اور زبان دونوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ "کفر میں جلدی کرنے" سے کیا مراد ہے۔ ایمان لانے کے بعد اگر کوئی دین سے منکر ہوگا اس کو تو مرتد ہوگیا کہیں گے۔ لہٰذا یہاں کفر سے کیا مراد ہے تو اس کے لیے دیکھیں۔ جناب باری ارشاد فرماتا ہے۔

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَا ــــــــــــــ

ترجمہ:۔ (البقر: آیت۔ ۲۱۲)

دنیا کی ذلیل زندگی کافروں کی نظر میں زینت دی گئی ہے۔

اس آیت نے واضح کردیا کہ کفر سے کیا مراد ہے۔ کفر کے ایک معنی ہیں روگردان ہونا یعنی توجہ نہ کرنا لہٰذا امورِ دنیا میں انہماک اور دوڑ دھوپ کرنا اور مالک کی اور آخرت کی طرف دل

بے توجہ نہ کرنا یہ بھی ایک قسم کا کفر ہے۔ لہٰذا یُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ کا مطلب واضح ہو گیا کہ امورِ دنیا میں تو بہت جلدی کرتے ہیں اور مالک کی یاد سے غافل اور روگردانی کیے رہتے ہیں۔ وہ وہی لوگ ہیں جو ظاہرا ایمان لائے ہیں اور سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم نے خدا کو دل سے مان لیا ہے۔ حالانکہ وجودِ باری کا یقینِ قلبی اُن کو حاصل نہیں ہوا ہے۔

شیعہ حضرات میں سے بعض کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کا مفہوم تو سوائے اہلِ بیت کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا اس کا صحیح مفہوم تو اقوالِ آلِ رسولؐ ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ تو فرموداتِ آئمہؑ معصومینؑ بھی دیکھ لیں۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام کی دعاء سحر ملاحظہ کریں جس کو رمضانِ مبارک میں سحر کے وقت سب پڑھتے ہیں۔ اس میں درمیانِ دعا یہ فقرے موجود ہیں اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا تُبَاشِرُ بِهٖ قَلْبِىْ وَ يَقِيْنًا صَادِقًا (یا اللہ میں تجھ سے ایسے ایمان کا سوال کرتا ہوں جس میں میرے قلب کی شمولیت ہو اور سچے اور صحیح یقین کا)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(تا آخر)۔

پس اگر ہم لوگوں کو ایمان بالقلب حاصل ہے اور وجودِ باری کا دل سے یقین رکھتے ہیں تو یہ دعا مہمل ہو جاتی ہے۔ اگر ہمیں وجودِ باری کا یقینِ قلبی حاصل ہوتا تو اہلِ بیت طاہرین علیہم السّلام دُعائیں کیوں تعلیم فرماتے۔ خدا مدعیانِ ایمان و یقین کو ہدایت فرمائے اور ہمیں آلِ رسولؐ کی تعلیم کی پیروی میں ایمان و یقینِ صادق کی طلب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

موت کا یقین نہ ہونا

اب ذرا اس پر بھی غور کریں کہ ہم لوگوں کو مرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ میت کو چھوتے ہیں۔ کافور کی بو سونگھتے ہیں۔ غرضیکہ موت کا احساس ہمیں اپنے پانچ حواس دیکھنے، سننے، چھونے اور میت کا کھانا کھا کر چکھنے سے بھی ہوتا رہتا ہے اور یہ بھی ہر نفس جانتا ہے کہ موت کے لیے کوئی عمر معین نہیں، کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔ اس تمام کے باوجود کیا کسی فرد کو موت کا یقین

www.TaabeerMurtaza.ml

قلبی حاصل ہے۔ کلامِ پاک میں کئی مقام پر کشتی میں سوار ہونے والوں کی مثال دے کر اس کیفیتِ نفس کی طرف توجہ دلائی ہے جو اس وقت طاری ہوتی ہے جب طوفان آجاتا ہے اور موت کے قرب کا احساس ہو جاتا ہے۔ اگر موت کا نفس کو یقین قلبی حاصل ہو جائے تو خدا کی طرف توجہ رہے اور ظلم و تعدی و بغاوت سے باز رہے۔ پھر جب نفسِ امارہ کو موت کا یقینِ صادق حاصل نہیں ہوتا جس کا احساس حواسِ خمسہ سے ہوتا رہتا ہے تو پھر وجود باری کا یقین قلبی کیسے ہو سکتا ہے جس کا احساس کسی حس سے بھی نہیں ہو سکتا۔ یقین قلبی تو جنابِ باری تعالیٰ عزاسمہ کی بہت بڑی نعمت ہے جو اس بارگاہ سے بہ الحاح وزاری طلب کرنے سے ہی مل سکتی ہے۔ جو یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ نعمت تو مجھے مل گئی ہے اس کو طلب کیوں ہوگی اور جب صدقِ دل سے طلب نہ کرے گا تو ہمیشہ اس نعمت سے محروم ہی رہے گا۔

یقین یا قرب موت سے وجل قلب کی کیفیت

اب اصل مضمون کی طرف توجہ کریں۔ لائق غور امر یہ ہے کہ ایک شخص اگر غافل سویا ہوا ہو اور موسم گرم ہو جائے تو پنکھا چلا دیں اور سردی ہو جانے پر چادر یا کمبل اوڑھا دیں تو کیا وہ جاگ سکے گا۔ نہیں۔ ہرگز نہیں جب تک اس کو اذیت نہ پہنچے وہ جاگ ہی نہیں سکتا۔ اب تو یہ امر واضح ہو گیا کہ سوئے ہوئے نفس کو جگانے کے لیے اذیت روحانی کی ضرورت ہے۔ پس خدا کا رسولؐ جو اس کے نزدیک محبوب ترینِ خلائق ہے نفوسِ خلقت کو غفلت سے جگانے اور نجاستِ لاشعوری سے ان کو پاک کرنے کے لیے یعنی ان کے نفوس کا تزکیہ کرنے کے لیے آیا تھا۔ اُس نے اپنے متوسلین کے قلوب کو روحانی اذیت و درد سے تڑپا کر ان کو غفلت سے جگانے کے لیے اپنی اولاد کو قربانیوں کے لیے وقف کر دیا اور اس مقصد کے لیے ایک ہزار مہینے بنی امیہ کی حکومت کے لیے مقدر کیے گئے تھے۔

ہزار ماہ کی حکومت کا راز

جس کی خبر سورۂ "اِنَّا اَنْزَلْنَا" میں دے دی گئی تھی۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ "لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ" (شب قدر ایک ہزار مہینہ سے بہتر ہے) تاریخ ابو الفدا میں تاریخ کامل سے منقول ہے کہ امیر معاویہ سے صلح کے بعد جب امام حسنؑ مدینہ میں تشریف فرما تھے۔ ایک روز راہ میں ایک شخص نے کہا 'السّلام علیک یامذل المومنین' (سلام ہو تم پر اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے) امام مسموم نے فرمایا اے شخص تو نے سورۂ قدر پڑھی ہے۔ اس نے کہا کہ ہاں۔ فرمایا آیا تو جانتا ہے کہ یہ ہزار مہینے کون سے ہیں۔ اس نے کہا نہیں میں نہیں جانتا۔ مولا نے فرمایا یہ ہزار مہینے بنی امیہ کی سلطنت کے مقدر کیے گئے ہیں۔ اس دوران اگر پہاڑ بھی ان سے ٹکرلیں گے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

غفلت دور کرنے کا اور اس لاشعوری کی نجاست سے نفس کے پاک ہونے کا ایک ذریعہ تو یہ ہے کہ خلوص کامل سے خدا کی طرف توجہ رہے جو اسی وقت ہو سکتی ہے جب ہر وقت موت سامنے رہے۔ جس کی مثالیں جناب باری تعالیٰ عز اسمہ نے اپنے کلام پاک میں بیان فرمائی ہیں۔ دیکھیں آیات مندرجہ ذیل:۔

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُکُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا کُنْتُمْ فِی الْفُلْکِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬

ترجمہ:۔ (یونس۔ آیت ۲۲)

"وہ وہی ہے جو تم کو سیر کراتا ہے خشکی اور سمندر میں یہاں تک

کہ جب تم کشتی میں سوار ہوتے ہو اور وہ موافق ہوا اُن کو لے
کر چلتی ہے تو خوش ہوتے ہیں۔ دفعتاً تند ہوا کا جھونکا آتا
ہے اور ہر طرف سے موجیں اُٹھتی ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ
اب گھر گئے اس وقت خالص اعتقاد سے اللہ کو پکارتے ہیں۔"

جناب رب العزت نے کتنا واضح فرمادیا ہے کہ اللہ کو یقینِ قلبی اور خلوصِ کامل سے صرف اسی وقت پکارتے ہیں جب موت سامنے ہوتی ہے مگر خطرہ دور ہوتے ہی پھر غافل ہو کر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ
الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۙ

ترجمہ:۔ (العنکبوت۔آیت: ۶۵)

"پس جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد سے
اللہ کو پکارتے ہیں۔ پس جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر
پہنچادیتا ہے ایک دم شرک کرنے لگتے ہیں۔"

اس آیہ وافی ہدایہ کو دیکھنے کے بعد اور امیر المومنین علیہ السّلام کا یہ فرمان سننے کے بعد کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ "اَنَّ اَکْبَرَ مَعْبُوْدٍ عُبِدَ فِي الدُّنیا الھویٰ" (سب سے بڑا معبود جس کی دنیا میں عبادت کی جاتی ہے۔ ہوائے نفس ہی ہے)۔ صرف وہی شخص اپنے شرکِ باطنی سے انکار کر سکتا ہے اور اپنے دعوئے ایمان پر مصر رہ سکتا ہے جو خدا اور رسولؐ و آلِ رسولؐ خصوصاً امیر المومنین علیہ السّلام کو معاذ اللہ غلط گو سمجھتا ہو۔ جس کے لاشعور میں عداوتِ اہلِ بیتؑ راسخ ہو گئی ہو۔ آیاتِ مذکورہ بالا سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ خالص اعتقادِ قلبی صرف اسی وقت تک قائم رہتا ہے جب تک موت سامنے رہتی ہے۔ اِدھر خطرہ ٹلا پھر غفلت طاری ہو جاتی ہے

اور ہوائے نفس کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اگر خلوص کی اس کیفیت کو استقرار ہو جائے تو وجودِ باری کا یقینِ قلبی حاصل ہو جائے اور نورِ ایمان قلب میں داخل ہو جائے۔

بنی امیہ کو ایک ہزار مہینے کی حکومت دینے کا ایک راز یہ تھا کہ متوسّلینِ رسولؐ و آلِ رسولؐ کے لیے مُخلِصِینَ لَہُ الدِّینَ کی کیفیت کا استقرار ہو جائے اور مستقل طور پر ایسی فضا قائم ہو جائے جیسی کہ طوفان میں گھری ہوئی کشتی کے سواروں پر طاری ہوتی ہے۔ چنانچہ جب امام حسن علیہ السّلام نے امیر معاویہ کو حکومت حوالہ کر دی اور متوسّلین و محبانِ آلِ رسولؐ کا قتل عام ہونے لگا تو موت ہر وقت ان کے سامنے رہتی تھی اور ہر لحظہ مُخلِصِینَ لَہُ الدِّینَ کی کیفیت ان کے قلوب پر طاری رہتی تھی جو غفلت دور کرنے اور وجودِ باری کا یقینِ قلبی حاصل کرنے کا اعلیٰ ذریعہ ہے۔

حاملانِ نور صاحبانِ معرفت کی قوت روحانی

دوسرا ذریعہ اذیت روحانی ہے۔ یعنی درد و الم، غم و حسرت۔ جب سلطنتِ بنی امیہ میں ہر منبر پر امیر المومنینؑ پر تبرا کہا جاتا اور سب و شتم کیا جاتا تو متوسلین آلِ رسولؐ کے قلب میں تڑپ پیدا ہوتی اور ان کو شدید روحانی اذیت پہنچتی۔ اس طرح کی بیس سالہ حکومت سے ایک کثیر تعداد ایسے صاحبانِ معرفتِ کامل کی پیدا ہو گئی جن کا مثل و نظیر دنیا نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ایک سو چوالیس ایسے مومن کامل کربلا میں جمع ہو گئے جنھوں نے بے حجاب اس نور کی تجلّی کا بار اٹھا لیا جس کو حضرت موسیٰ بھی نہ اُٹھا سکے بلکہ غش کھا گئے اور آنحضرت کے ساتھی سب ہلاک ہو گئے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا یا جل کر خاکستر ہو گیا۔ یہ تو شیعہ حضرات مجالس میں سُنتے ہی رہتے ہیں کہ فرزند رسولؐ نے جب اپنے اصحاب سے فرمایا ارفعوا روسکم فانظروا (اپنے سر اُٹھاؤ اور دیکھو) تو نورِ حقیقت کی تجلی سب نے بے حجاب دیکھ لی اور وہ بار اُٹھا لیا جس کو پہاڑ بھی نہیں اُٹھا سکتے ان حاملانِ نور میں سے تقریباً نصف نے تو صبح کی نماز کے وقت تیروں کی پہلی بارش ہی میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ **جزاھم اللہ منّا خیر الجزاء**

ذبح عظیم کے اثر سے جو متوسلین آلِ رسولؑ کے دلوں میں تڑپ پیدا ہوئی تو ہزارہا صاحبانِ معرفت کامل پیدا ہو گئے۔ جس کو معرفت حاصل ہوتی گئی وہ قربانی پیش کرتا رہا اور یہ سلسلہ سینکڑوں برس جاری رہا۔ جب تک قربانیاں ہوتی رہیں ایسے صاحبانِ معرفت حاملانِ نور پیدا ہوتے رہے جن کو دنیا کی ہر شے پر تصرف حاصل تھا۔ جو سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعاً (تسخیر کردیں تمہارے لئے تمام چیزیں جو زمین میں ہیں) کے مصداق تھے۔ جن کے لیے حضور سرورِ عالم صلعم نے فرمایا تھا علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل (میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں) اور لوگوں کو گمراہی سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ بھی ظاہر فرمادیا کہ علم سے یہاں کیا مراد ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا العلم نور یقذف الله فی قلب من یشآء (علم وہ نور ہے جو اللہ ڈالتا ہے جس کے دل میں وہ چاہے) یہ کتابی علم نہیں۔ مگر افسوس کہ رسولؐ کریم کے اتنی احتیاط کرنے کے باوجود اس حدیث میں علم کے مفہوم کو ایسا مسخ کردیا گیا کہ علم کی تعریف یہ بنائی گئی کہ ''علم وہ قیاسی مباحث اور راویوں کی روایات ہیں جو استاد شاگردوں کے ذہن میں ڈالتے ہیں'' جو لوگ علماء امتی کے مصداق ہونے کے مدعی ہوں ان سے کہنا چاہیے کہ انبیاء بنی اسرائیل کی مثل کوئی کام بھی تو کر کے دکھائیں۔ جو صاحبانِ معرفت حاملانِ نور تھے وہ تو قولِ خداؐ و رسولؐ کا عملی ثبوت دنیا کے سامنے پیش کر دیتے تھے کہ مومن ہی غالب رہتے ہیں۔ جناب رب العزت کا فرمان ہے۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو گے)۔

صاحبانِ ایمان و معرفت ارشاد باری کا اس طرح ثبوت دیتے رہے ہیں کہ کتنے ہی صاحبانِ معرفت اولیاء اللہ ایسے گزرے ہیں کہ ایک کمبل اوڑھے بے سروسامان مشرکین کے ملک میں جہاں آکر قدم رکھ دیتے کفار و مشرکین کی مسلح افواج ان کا جوتا بھی جگہ سے نہ ہٹا سکتیں۔ ایک مثال حضرت سید معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی ہی کافی ہے اور ان صاحبانِ

معرفت اولیاء اللہ کے مقابر پر آج تک روحانی کرامات کے اثرات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔
جن کے غلاموں کے خادموں کی ایسی قوتیں ہوں کہ کوئی مادّی طاقت ان کو مغلوب نہ کر سکے۔
ان انوار مجسّم، منبع نور، سادات العارفین اولیاء مطلق، خلفائے رب العالمین حضرات آئمہ طاہرین و مطہرین کے لیے علماء کرام اس عقیدے کی نشرواشاعت کریں کہ ہمارے آئمہ کو تو ظالم بادشاہوں نے تبلیغ واشاعتِ دین کا موقع ہی نہیں دیا۔ وہ تو ظالموں کے خوف سے خانہ نشین ہی رہے۔ عمریں قید خانوں میں بسر کر دیں اور بالکل مجبوری ولاچاری میں زندگیاں بسر کر گئے۔
حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

ائمہ اہل بیت طاہرین علیہم السّلام نے ظالموں کو حکومتیں دے کر مصائب و آلام اور مظلومیت کی زندگی تو اسی لیے اختیار کی تھی کہ ہمارے متوسلین کے دلوں میں تڑپ پیدا ہو۔ جس سے ان کے نفوس کی غفلت دُور ہو اور وجود باری کا یقین قلبی حاصل ہو جائے ایمان حقیقی اور حب اللہ مل جائے اور نور ایمان ان کے قلوب میں داخل ہو جائے۔ پس جن کے قلوب میں خلوص تھا اور ان کے دل مصائب اہل بیتؑ دیکھ کر تڑپتے تھے ان کو معرفت بھی حاصل ہو جاتی تھی۔ نور حقیقت کا مشاہدہ اور ادراک ہو جاتا تھا۔ آل رسولؐ کے راز ان پر منکشف ہو جاتے تھے۔ پھر وہ بھی حضرت سلمان فارسیؓ کی طرح منا اہل البیتؑ میں شامل ہو جاتے تھے۔ لیکن جو صرف ظاہر کے دیکھنے والے تھے اور آل رسولؐ سے ان کا قلبی تعلق خاص نہ تھا وہ اسی کے دلائل نکالنے، پڑھنے، مہیا کرنے اور جمع کرنے میں مصروف رہتے تھے کہ خلافت اہلِ بیت کا حق ہے جو ان سے بجبر غصب کر لی گئی اور ان کے مخالفین غاصب اور ظالم ہیں۔ ان ہی مشاغل میں عمریں گزار دیتے۔
انہیں یقین کامل تھا بس یہی دین حقہ ہے اور اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں۔

تدوین مذاہب عامّہ

آئمہ طاہرین علیہم السّلام کا زمانہ شہود ۲۶۰ھ ہجری تک رہا۔ اس دوران میں ہر طرح

کے مصائب و آلام اپنے لیے مہیا کرتے رہے اور اپنے متوسلین پر اپنی مظلومی، مجبوری و لاچاری کا اظہار فرماتے رہے تاکہ ان کے قلوب محزون ہوں اور ان میں تڑپ پیدا ہو۔ یہی ان کی تبلیغ و اشاعتِ دین کا واحد ذریعہ تھا۔ ادھر عوام کے مذہب کی تدوین منصور دوانقی دوسرے خلیفہ بنی عباس کے زمانہ میں تقریباً ۱۵۰ھ ہجری سے شروع ہوگئی۔ کتابیں تصنیف ہونے لگیں۔ علم حدیث، علم الرجال، علم فقہ، منطق، علم کلام وغیرہ پر کتابیں تصنیف ہوتی رہیں۔ قرآن وحدیث سے استخراج کر کے کتب عقائد لکھی گئیں۔ اصول دین و فروع دین قائم کئے گئے۔ خدا کی صفات ثبوتیہ و سلبیہ معین کی گئیں۔ صفات کو زائد بر ذات جان کر ان کو بھی قدیم ٹھہرایا اور اس طرح بہت سے قدیم بنا دیئے۔ جب قسطنطنیہ سے فلسفۂ قدیم کی کتب منگوا کر عربی میں ان کے تراجم کئے گئے اور ان کی درس و تدریس مملکتِ اسلامی میں ہونے لگی تو عرش و کرسی، سماوات و ارض اور عالمِ غیب کے متعلق بھی قدیم فلسفۂ یونانی سے ملتے جلتے عقائد وضع کر کے کتابوں میں تحریر کئے گئے۔ غرضکہ تیسری صدی کے اختتام پر اشاعرہ اور عوام کے مذہب کا عظیم الشان قلعہ تیار ہوگیا۔

تدوین مذہب شیعہ

آئمہ علیہم السّلام کے زمانہ شہود تک تو عوام شیعہ کو اطمینان تھا کہ ہمارا امام موجود ہے۔ مگر غیبت صغریٰ کے بعد یہ بھی اس طرف متوجہ ہوئے کہ احادیثِ رسولؐ و آلِ رسول علیہم السّلام جمع کی جائیں۔ چنانچہ غیبتِ صغریٰ سے تقریباً تیس سال بعد ۲۹۳ھ ہجری سے اصول کافی کی تالیف شروع ہوگئی۔ غیبتِ صغریٰ تک بھی عوام شیعہ مطمئن تھے کہ حضرت حجت علیہ الصلوٰة السّلام کے سفرا کے ذریعہ سے سوالات کے جواب حاصل ہوسکتے تھے۔ مگر جب ۳۲۹ھ ہجری میں غیبتِ کبریٰ واقع ہوگئی۔ اس کے بعد پریشانی و اضطرار ہونا فطری امر تھا۔ اس کے علاوہ

جب عوام سے سُنتے کہ ہمارے مذہب کے تین اصولِ دین اور پانچ فروعِ دین ہیں، خدا کی آٹھ صفاتِ ثبوتیہ اور اتنی ہی صفات سلبیہ ہیں تو پریشان ہوتے کہ ہمارے مذہب کے اصول وفروع کیا ہیں۔ اس سبب سے اس طرف بھی توجہ کرنا ناگزیر تھا لہٰذا اصولِ دین وفروعِ دین کا تعین کرنا پڑا۔ کہ ہمارے پانچ (۵) اصولِ دین اور چھ (۶) فروعِ دین ہیں۔ خدا کی آٹھ صفات ثبوتیہ اور آٹھ صفات سلبیہ ہیں اور اس کی صفات عین ذات ہیں۔ وہ ذات سے الگ نہیں۔ پھر صفاتِ خدا کی بحثوں پر مروّجہ علم کلام کی بنیاد قائم کی گئی۔ حالانکہ آئمہ معصومین علیہم السّلام نے صفاتِ الٰہیہ کی بحثوں کی سخت ممانعت کی تھی۔ جو صاحبانِ معرفت واقفانِ اسرارِ اہلِ بیتؑ تھے وہ تو قربانیاں دینے میں مصروف تھے یا خاموش رہتے تھے اس لیے کہ راز تو نا اہلوں پر افشا نہیں کرسکتے تھے۔ کتب مذہبی کی تدوین کا کام ان ہی لوگوں نے کیا جن کو معرفت حاصل نہ تھی جو صرف ظاہر ہی کے دیکھنے والے تھے۔ عوام نے کتبِ عقائد میں متشابہ احادیث واحادیث مبنی بر تقیہ اور بعض موضوعات پر عقائد کی بنیادیں قائم کی تھیں۔ جنت ودوزخ، صراط، میزان، اعراف، عرش وکرسی، آسمان وزمین، وزنِ اعمال، حساب کتاب، نامۂ اعمال، شہاب ثاقب وغیرہ وغیرہ کے متعلق جو کچھ بھی کفار ومنافقین اور عوام جہال کو عالمِ غیب کی طرف توجہ دلانے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمثیلاً متشابہ احادیث میں بیان فرمایا تھا، آئمہ طاہرین علیہم السّلام بھی اپنے نادان متوسّلین سے اسی طرح بیان فرماتے تھے۔ اس لیے کہ حقائق اور راز تو عوام سے بیان نہیں کیے جاسکتے تھے۔ اس پر بھی اشاروں کنایوں میں حقائق بھی بیان فرمادیتے مگر اس طرح کہ آیت کے کسی کلمہ کا مفہوم کہیں ایک شخص کو بتایا تو دوسرے کلمہ کا مفہوم کسی دوسرے شخص کو کہیں اور بتادیا۔ تاکہ طالبین ومتلاشیانِ حقائق محروم نہ رہیں۔ شیعہ حضرات نے جب کتبِ عقائد تصنیف کیں تو عوام کی کتبِ عقائد کی مثل ہی تمام عقائد کی بنیادیں متشابہ اور مبنی بر تقیہ احادیث اور بعض موضوعات پر قائم کیں۔ جب کوئی حدیث مبنی بر حقیقت نظر آئی تو

اس کو یا تو نظر انداز کر دیا یا اپنے قیاس کے مطابق اس کی تاویل لکھ دی۔ غرضکہ چوتھی صدی ہجری کے آخر تک مذہب شیعہ مروّجہ کی تدوینِ کتب بھی تقریباً مکمل ہوگئی۔ پھر اجتہاد کا درجہ بھی قائم کرلیا گیا اور اس مذہب کا بھی بڑا مستحکم قلعہ تیار ہوگیا۔

مذہب مروّجہ کے فوائد

کوئی کام ایسا نہیں ہوتا جس سے ہر ایک کو فائدہ پہنچ سکے۔ قرآن کریم میں خود جنابِ ربُّ العزّت فرماتا ہے۔ یضلّ بہ کثیرًا وّ یھدی بہ کثیرًا (اس سے بہت سے گمراہ ہوتے ہیں اور اس سے بہت سے ہدایت پاتے ہیں) جب خدا کے کلام سے ہر ایک کو فائدہ نہیں ہوسکتا تو دوسرے کاموں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اسی طرح اس مذہب کی تدوین سے فائدے بھی بہت ہوئے اور نقصان بھی ہوئے۔ فوائد کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:۔

۱۔ سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوا کہ احادیثِ رسول وآلِ رسول علیہم الصلوٰۃ والسّلام خواہ محکم ہوں یا متشابہ، مبنی بر تقیہ ہوں کہ مبنی بر حقیقت قریب قریب سب جمع ہوگئیں۔ اسی میں موضوعات بھی شامل ہوگئیں۔ یہ مجموعے بعد میں آنے والوں کے لیے مشعلِ ہدایت اور نعمت غیر مترقبہ ہوگئے۔

۲۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ عوام شیعہ ایک تنظیم میں منظم ہوگئے۔ جس کے بغیر سب منتشر بھیڑوں کی طرح پریشان رہتے اور ہر شخص احادیث کی تلاش میں سرگرداں رہتا۔ ہر ایک اپنے خیال وقیاس کے مطابق احادیث کی تاویلیں کرتا جس سے افتراق و انتشار پھیلتا۔

۳۔ تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ عوام کے ذہنوں میں جو اضطرار پیدا ہوا تھا کہ ہمارا مذہب کیا ہے۔ ہمارے اصولِ دین وفروعِ دین کیا ہیں۔ ہمارے مذہب کے عقائد کیا ہیں دفع ہوگیا اور مذہب کا ایک مستحکم خوشنما قلعہ ان کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

۴۔ چوتھا فائدہ یہ ہوا کہ ہر شخص تو حقائق سُننے اور ان کا بار اٹھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ اگر اس جہالت وتاریکی کے زمانہ میں حقائق کا اظہار کیا جاتا تو عوام کی گمراہی کا باعث ہوتا۔ جس سے وہ محفوظ رہے۔

۵۔ پانچواں فائدہ یہ ہوا کہ اہلِ بیتؑ کا منظم پروپیگنڈا ہونے لگا اور بہت سے ڈھنڈورچی پیدا ہوگئے۔ جب کسی سے ڈھنڈورا پٹوایا جاتا ہے تو اس کی اجرت دینا ضروری ہوتا ہے لہٰذا اہلِؑ بیت کا ڈھنڈورا پیٹنے والے خدا ورسولؐ سے اس کا اجر پانے کے مستحق ہوگئے۔

۶۔ چھٹا فائدہ یہ ہوا کہ نفسِ انسان کی فطرت ہے کہ وہ قصّے کہانیوں میں بڑی دلچسپی لیتا ہے۔ اب علمِ دین میں بے شمار قصّے کہانیاں شامل ہوگئیں جو عوام کی دلچسپی کا باعث ہوئیں اور اس طرح عوام کی توجہ مذہب کی طرف زیادہ جذب ہونے لگی اور وقت گزاری کا ایک مفید مشغلہ ہوگیا جس سے فضول مشاغل سے بچنے کا سامان ہوگیا۔

۷۔ ساتواں فائدہ یہ ہوا کہ ان کا مرکزِ توجہ فی الاضطرار صحیح ہونے کے سبب مصیبت و پریشانی کے وقت ان کی توجہ اہلِؑ بیت کی طرف مرکوز ہوتی ۔ تمام عمر میں جتنا وقت ان کی طرف توجہ کرنے میں گزرتا اور جتنا بھی خلوص پیدا ہوتا اس کا اجرِ عظیم پانے کے مستحق ہوجاتے۔ اسی لیے اغیار کے مقابل ہمیشہ ان کو خدا ورسولؐ وآلِؑ رسولؐ کی نصرت وتائید حاصل ہوتی رہی۔

جو صاحبانِ معرفت و واقفانِ اسرار ہوتے رہے ان میں اکثر تو خاموش اور دنیا سے کنارہ کش ہی رہے۔ مثلاً حضرت علامہ سید رضی علیہ الرحمتہ نے فقہ وکلام کی طرف توجہ کرکے شہرت حاصل کرنے کی خواہش نہ کی بلکہ خطباتِ امیرالمومنین سید العارفین علیہ الصلوٰۃ والسّلام جمع

فرمائے۔ اگر صاحبانِ معرفت نے کتابیں تصنیف بھی کی ہیں تو بالکل ظاہر پرست قشرئیین کے رنگ میں، مثلاً سیّد ابن طاؤس علیہ الرحمۃ یا حضرت علاّمہ مجلسی علیہ الرحمۃ۔ البتہ ان حضرات نے حقائق و معارف بھی اپنی تصانیف میں چھپا کر رکھ دیئے ہیں تا کہ طالبانِ حقیقت محروم نہ رہیں۔ اگر کسی بزرگوار نے معرفتِ نفس پر کوئی کتاب لکھی ہے تو اس کا تو نام بھی کبھی ہمارے علماء کی زبان پر نہیں آتا۔

مذہب مُروّجہ کے نقصانات

جس طرح متکلمین کے اس مذہب سے بہت سے فوائد ہوئے اسی طرح نقصانات بھی ہوئے۔ اس سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال راسخ ہوگیا کہ اس مذہب کو قبول کرتے ہی ہر شخص متمسک بالثقلین، کشتیٔ نجات میں سوار، مومنِ کامل، شیعۂ اہلِ بیتؑ اور ناجی ہوجاتا ہے اور یہ کہ ہم محبانِ اہلِ بیتؑ ہیں، حسینؑ پر رونے والے ہیں، جنت ہم پر واجب ہوچکی ہے۔ دین کے تو تمام مراتب حاصل ہوگئے اس کے لیے تو اب کچھ محنت کرنی ہی نہیں صرف دنیا ہی کا حاصل کرنا رہ جاتا ہے۔ بس اسی کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔ تزکیۂ نفس اور معرفتِ نفس کا ذکر بھی معدوم ہوگیا۔ ہوائے نفس پر غلبہ حاصل کرنے کا نام لینا بھی جرم ہوگیا۔ راہِ معرفت مسدود ہوگئی۔ ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں میں تو شاذ و نادر کبھی کوئی ایک آدھ عالمِ نور کا ادراک حاصل کرلیتا ہے۔ حنفی، شافعی صاحبان میں سے جو ذکر اللہ بہ کثرت کرتے رہتے ہیں اور درود کا ورد بکثرت کرتے ہیں ان میں سے بعض کو نورِ اہلِ بیتؑ تک رسائی حاصل ہوجاتی ہے مگر ہمارے برادرانِ ایمانی جو مخزنِ نور اور شہرِ علم کے دروازے پر پشت پھیرے کھڑے ہیں اس نور کی شعاعوں کے ادراک سے محروم ہی رہتے ہیں۔ ان کو تو مناظرے کی بحثوں کے لیے ثبوت فراہم کرنے اور حفظ کرتے رہنے سے ہی فرصت نہیں ملتی کہ تعلیمِ اہلِ بیتؑ کی طرف توجہ کرسکیں

قرآنِ حکیم اور احادیثِ رسولؐ سے بالکل ظاہر ہو جاتا ہے کہ رسولؐ کی بعثت کا مقصد وحید تزکیہ نفس انسان ہے۔ لہٰذا دین کا تعلق تو نفس ہی سے ہے۔ دین تو تمام کا تمام معرفتِ نفس ہی سے متعلق ہے۔ پس جب تک اپنے نفس کی کیفیت کا شعور نہ ہو قرآن و حدیث کے کلمات اور اُن میں بیان کردہ مضامین کے مفاہیم سمجھ ہی نہیں سکتے۔ امثلہ ذیل پر نظر کریں:۔

۱۔ تمسک بالثقلین

پیروانِ مذہب مروجہ میں سے ہر شخص متمسک بالثقلین ہونے کا مدعی ہے۔ حالانکہ تمسک کے معنی ہیں مضبوط پکڑنا۔ اور مضبوط پکڑنے کا مفہوم ہر جانور بھی جانتا ہے کہ اگر کسی شے کو مضبوط پکڑے گا تو جب وہ حرکت کرے گی جبراً قہراً اس کے پیچھے پیچھے چلے گا۔ تمسک بالثقلین تو ایمان اور اصلاحِ نفس کی وہ منزل ہے جہاں پہنچ کر بندے کے اعمال وافعال میں اہلِ بیتؑ سے کچھ نہ کچھ مشابہت پیدا ہو جائے۔ مگر افسوس کہ عدم معرفت کی وجہ سے اس کا یہ مفہوم ہو گیا کہ امیر المومنین کو خلیفہ بلا فصل مان لینا اور بارہ اماموں کی امامت کا اقرار کر لینا ہی تمسک بالثقلین ہے۔ پھر یہ خیال بھی گمراہی کا باعث ہو گیا کہ بھلا ہم اہلِ بیتؑ کے اعمال کی نقل کیسے کر سکتے ہیں۔ ان کے اعمال ان ہی کے لیے تھے۔ حالانکہ اہلِ بیتؑ طاہرین نے جو کچھ کر کے دکھایا وہ سب اُمت کے لیے ہی تھا تاکہ ان کے متوسلین ان کی نقل کر کے تقرب ایزدی اور ایمانِ حقیقی حاصل کر سکیں۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کا ارشاد ہے۔

شیعتنا من اطاع اللہ و عمل اعمالنا۔

(ہمارے شیعہ وہ ہیں جو احکامِ خدا کی اطاعت کریں اور ہمارے جیسے کام کریں)۔

۲۔ رکوبِ سفینہ

ہمیں بچپن سے یہ سبق پڑھا دیا جاتا ہے کہ ہم کشتی نجات میں سوار ہیں اور

حدیث:۔ سفینۃ مثل اھلبیتی کمثل سفینۃ نوحؑ من رکبھا نجیٰ و مَن تخلف عنھا

غرق و هوی (میرے اہلِ بیت کی مثال کشتیِ نوح کی مثال ہے جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے اس سے روگردانی کی وہ غرق ہوا اور ہلاک ہوا) منبروں پر بڑے فخر سے بیان کی جاتی ہے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ ہم تو کشتیِ نجات میں سوار ہیں اور تمام لوگ غرق و ہلاک ہونے والے ہیں۔ مشکل یہ ہے کہ جب کوئی خیال ذہن نشین ہو جاتا ہے تو قانونِ فطرت اور سنّت اللہ یہ ہے کہ کانوں پر اور دلوں پر مہر ہو جاتی ہے۔ آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اس خیال کے خلاف نہ کچھ سُن سکتا ہے، نہ دیکھ سکتا ہے نہ سوچ سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ لہٰذا آج تک کسی صاحب کو کشتی میں سواری کا مفہوم سمجھنے کا خیال ہی نہیں آیا۔ حالانکہ کشتی میں سواری کی علامت تو گدھا بھی جانتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ جب کشتی میں سوار ہو جائے گا تو پھر کشتی اس کو اپنے راستہ پر لے کر چلے گی۔ سوار ہونے والا اس کے خلاف ذرا سی حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ کشتیِ نجات میں سواری تو ایمان کی وہ منزل ہے جس پر شاذ ہی فائز ہوتے ہیں۔ یہ تو منزلِ فنا ہے جہاں بندے کا ہر حرکت و سکون مرضی اہلِ بیت کے مطابق ہونے لگے۔ مگر ہمارے علماء دین نے عدمِ معرفت کی وجہ سے اس کا مفہوم ایسا مسخ کیا کہ انسانوں کو جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ بنا دیا اور خود بھی اسی گمراہی میں پڑے رہے۔ اس حدیث کی صحت ثابت کرنے کے لیے تو سینکڑوں جلدیں تصنیف کر ڈالیں مگر کشتی میں سواری کا مفہوم خود بھی نہ سمجھ سکے۔

۳۔ مومن

یہ تخیل بچّہ بچّہ کے ذہن نشین کرا دیا گیا ہے کہ جس نے لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہہ لیا وہ مسلمان ہے اور جو اس کے ساتھ علیٌّ ولی اللہ بھی کہے وہ مومن ہے۔ حالانکہ قرآن مدعیانِ ایمان کی تکذیب کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ
قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

ترجمہ:۔ (الحجرات۔ آیت: ۱۴)

اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ۔ کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے ۔لیکن یہ کہو کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور ایمان تو تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔اور اگر تم احکامِ خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو گے تو وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کمی نہ کرے گا۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کسی بات کو زبانی مان لینا ایمان نہیں ہے۔ بلکہ ایمانِ حقیقی احکامِ خدا اور رسولؐ کی تعمیل کرتے رہنے سے بہ تدریج قلب میں داخل ہوتا ہے۔اس سے اگلی آیت میں ایمان کی تعریف اور مومن کا وصف بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی ظاہر کر دیا گیا ہے کہ حصولِ ایمانِ حقیقی کے ذرائع کیا ہیں۔ پس ارشادِ باری ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ (الحجرات۔آیت:۱۵)

سوائے ان کے کوئی مومن نہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے ۔پھر امکانِ شک نہ رہا۔اور جہاد کیا انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنے نفسوں سے ۔پس وہ ہی سچے ہیں۔

اس آیت میں ظاہر کر دیا گیا ہے کہ حقیقی مومن وہ ہے جس کو یقینِ قلبی حاصل ہو جائے اور

اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ جہادِ نفس ہے۔ جہاد بالسیف یا جہاد بالنفس ہی ایمانِ حقیقی اور یقینِ قلبی حاصل کرنے کے ذرائع ہیں۔ مگر ہم تو بغیر جہادِ نفس کئے ہی مومنیت کے مدعی بن بیٹھے اوراس سے اگلی آیت پر بھی ہماری نظر نہ گئی کہ جناب باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ٥

(الحجرات۔ آیت: ۱۶)

ترجمہ:۔

(اے رسولؐ) کہہ دو کیا تم اللہ پر اپنا دین جتاتے ہو حالانکہ اللہ تو جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ تو ہر شے کا جاننے والا ہے۔

مگر ہمارے علماء کرام نے تمام افرادِ قوم حتیٰ کہ قوم کے بچوں کو بھی اللہ پر دین جتانے والا بنا دیا۔ قرآن کریم میں بہت سی آیات میں مومنین کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

اب چند احادیث بھی دیکھ لیں۔

۱۔ فرمایا جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے ایمان نام ہے قلب سے معرفتِ ربانی کا اقرار اور عمل بالارکان کا۔

(تحفۃ الابرار ترجمہ جامع الاخبار مؤلفہ شیخ صدوق علیہ الرحمۃ صفحہ: ۵۷)۔

۲۔ از حضرت صادق علیہ السّلام "ایمان نام ہے قول منقول عرفان بالعقول اور اتباعِ رسولؐ کا"۔ (تحفۃ الابرار صفحہ: ۵۷)

۳۔ از حضرت رسولِ خدا "ایمان معرفت بالقلب، اقرار باللّسان اور عمل بالارکان کا نام ہے"۔ (تحفۃ الابرار صفحہ: ۵۸)

ان احادیث میں سے ہر ایک میں معرفت بالقلب موجود ہے۔ جو بغیر معرفتِ نفس ممکن

نہیں مگر ہم نے اپنی عدم معرفت کے باعث بالقلب کے مفہوم کو اپنے قیاس کے مطابق ڈھال لیا جس کے باعث اللہ تعالیٰ کو بھی ایسا مجبور ولاچار جانتے ہیں کہ عوام الناس نے ان کے ہاتھ سے خلافت چھین لی اور اُن کے دین کو برباد کر دیا اور اللہ تعالیٰ اپنا دین بچانے کے لیے کوئی تدبیر نہ کر سکے۔ اب چند اور احادیث بھی دیکھیں۔

۴۔ فرمایا امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ''ایمان یہ ہے کہ خدا کی اطاعت کے بعد اس کی معصیت نہ کی جائے''۔ (الشافی ترجمہ: اصول کافی جلد: ۲۔ صفحہ: ۴۸ سطر: ۲۱)

۵۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا۔ ''ایمان کل عمل ہے قول اس کا ایک جزو ہے''۔ (الشافی جلد: ۲۔ صفحہ: ۴۹ سطر: ۸)

۶۔ ازامام محمد باقر علیہ السّلام ''کتاب خدا کی تصدیق کرنا اور اللہ کی نافرمانی نہ کرنا یہ ایمان ہے''۔ (الشافی جلد: ۲۔ صفحہ: ۵۵ سطر: ۱۹)

۷۔ حضرت صادق علیہ السّلام '' ایمان بدون عمل ثابت نہیں ہوتا ''۔ (الشافی جلد: ۲۔ صفحہ: ۲۴ سطر: ۵۵)۔

۸۔ حضرت صادق علیہ السّلام نے فرمایا ''ہم کسی کو مومن نہیں سمجھتے جب تک ہمارا اتباع نہ کرے''۔ (الشافی جلد: ۲۔ صفحہ: ۹۸ سطر: ۱۹)

اَب جو لوگ آئمہ معصومین علیہم السّلام کو صادق القول جانتے ہیں وہ ان فرمودات کی کسوٹی پر اپنے نفوس کی کیفیات کو پرکھ لیں۔ آئمہ علیہم السّلام کی بہ کثرت احادیث مومن کی علامات کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ آنحضرت نے احادیث وادعیہ میں یہ تعلیم دی ہے کہ ایمان بالقلب تو خدا کی بہت بڑی نعمت ہے جو جناب ربُ العزت اسی کو عطا فرماتا ہے جو صدقِ دل سے اس کی طلب کرے۔ مدعی محروم ہی رہتے ہیں۔ بندہ پر تو صرف طلب لازم ہے۔ طلب صادق ہی سے مستحق رحمت ہو جاتا ہے۔

۴۔ شیعۂ اہلِ بیتؑ

جب یہ خیال ذہن نشین ہو جائے کہ ہم شیعانِ امیرالمومنینؑ ہیں۔ ہم شیعانِ اہلِ بیتؑ ہیں تو آئمۂ طاہرین علیہم السّلام کی وہ احادیث کیسے نظر آسکتی ہیں جن میں ان حضرات نے مدعیانِ شیعیت کی تکذیب فرمائی ہے اور اپنے شیعوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ دیکھیں احادیث مندرجہ ذیل:۔

۱۔ فرمایا امام محمد باقر علیہ السّلام نے۔ "ہمارا شیعہ وہی ہے جو خدا کی اطاعت کرے"۔ (الشافی جلد: ۲۔ صفحہ: ۹۳ سطر: ۲۰)

۲۔ امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا۔ "اے جابر کیا صرف یہ کہنا کہ ہم اہلِ بیتؑ سے محبت رکھتے ہیں دعوائے شیعیت کے لیے کافی ہے۔ خدا کی قسم ہمارا شیعہ نہیں ہو سکتا مگر جب اللہ سے ڈرے اور اس کی اطاعت کرے"۔
(الشافی جلد: ۲۔ صفحہ: ۹۳ سطر: ۷)

۳۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام نے فرمایا۔ "میں نے اپنے والد کو سنا ہے یہ فرماتے ہوئے کہ وہ ہمارا شیعہ نہیں جس کی پرہیزگاری کی اتنی شہرت نہ ہو کہ مستورات پس پردہ اس کی پرہیزگاری کا ذکر کریں"۔ (الشافی جلد ۲۔ صفحہ ۹۹ سطر ۱)

۴۔ فرمایا ابو عبداللہ علیہ السّلام نے۔ "بچو پست فطرت انسان سے جو اپنے کو شیعہ کہتا ہے۔ شیعۂ علیؑ وہ ہے جس کا شکم و شرمگاہ حرام سے محفوظ ہو اور اس کا جہادِ نفس سے سخت ہو"۔ (الشافی جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ سطر ۲۲)

یہاں میں اپنے بھائیوں کی اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ قرآن میں بھی علامتِ ایمان جہادِ نفس بتائی گئی ہے اور آئمہ علیہم السّلام نے بھی شیعیت کی علامت یہ بتائی کہ شیعۂ علیؑ وہ ہے جس کا جہادِ نفس سے سخت ہو۔ میں آپ کو مادرِ حسینؑ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا کبھی آپ

نے اپنے واعظین سے جہادِ نفس کا ذکر سُنا ہے۔ کیا ان کی کسی تقریر، تحریر یا تصنیف میں جہاد بالنفس کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ کیا ہوتا ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے۔ جہاد بالنفس کس کو کہتے ہیں۔ اب خود ہی غور فرمالیں کہ مُروّجہ مذہب کیا اہلِ بیت کا تعلیم کردہ کہے جانے کی اہلیت رکھتا ہے۔

شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے جامع الاخبار میں کتنی ہی احادیث نقل فرمائی ہیں جن میں آئمہ علیہم السّلام نے ہر مدّعی شیعیت کی تکذیب کی ہے۔ افسوس کہ لفظ شیعہ بھی ہماری قوم کے لیے گمراہی کا باعث ہوگیا۔ جب شیعانِ علیؑ کے فضائل کی احادیث دیکھتے یا سُنتے ہیں تو سب کو اپنے اوپر اوڑھ لیتے ہیں یعنی ان کا مصداق اپنے ہی کو سمجھ لیتے ہیں کہ یہ ہماری شان ہی میں وارد ہوئی ہیں مگر مدّعیانِ شیعیت کی تکذیب کی احادیث سُننا یا دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔ بارگاہِ احدیت میں مدّعیوں کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ وہاں تو عجز و تقصیر پسند ہے۔ اگر اوصاف و علاماتِ شیعہ کی احادیث کو دیکھیں تو عجز و تقصیر کا احساس ہو تو طالب رحمت ہو جائیں اور اس کی رحمت سے فیضیاب ہوں۔

۵۔ فرقۂ ناجی

ہمارے برادرانِ ایمانی بڑے فخر سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا فرقہ ہی ناجی ہے اور یہ حدیث قریب قریب ہر شخص کو یاد ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا:۔ **"ستفترق امتی علیٰ ثلثۃ و سبعون فرقۃ کلھم فی النّار الا وحدہ"** (عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ سب کے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک کے) مسلمانوں کے ہر فرقے کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہے کہ وہ فرقۂ ناجی جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے ہمارا ہی فرقہ ہے۔ بس صرف ہم ہی ناجی ہیں۔ ہمارے سوائے کوئی اور جنت میں نہ جائے گا۔ ہماری قوم کے افراد بہت شوق سے اس کے ثبوت پڑھتے ہیں، یاد کرتے ہیں اور دیگر فرقِ اسلامیہ کے مقابل وہ دلائل پیش کرتے ہیں مگر افسوس کہ جنّت کے مالک اور اس کے خالق کا کلام ان کو نظر

نہیں آتا کہ وہ کون سے فرقہ کو ناجی قرار دیتا ہے۔ اس کے متعلق ایک تمثیل رسالہ پیغامِ رسولؐ میں نظر سے گزری جس کا لُبِ لُباب حسبِ ذیل ہے:۔

اگر کسی شخص کو دور دراز مقام سے اس کا کوئی شناسا ایسی اطلاع دے کہ تمہارا چچا یا بھائی کثیر جائیداد چھوڑ کر لاوارث فوت ہو گیا اور میں جانتا ہوں کہ تم ہی اس کے شرعی وارث ہو۔ جلد یہاں آ کر اپنا استحقاق ثابت کرو اور تمام جائداد و املاک پر قبضہ کرو۔ صاحبانِ فہم سمجھ سکتے ہیں اس کے دل کی کیا حالت ہوگی۔ ہر دم یہی خیال رہے گا کہ کب وہاں پہنچوں اور کب جائداد و املاک پر قبضہ کروں۔ اب جنت کے مالک کا فرمان بھی دیکھ لیں کہ وہ فرقۂ ناجی کی علامت کیا بتاتا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً
مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

(البقرہ۔ آیت: ۹۴)

ترجمہ:۔

(اے رسولؐ) کہہ دو اگر آخرت کا گھر (یعنی جنت) اللہ کے پاس خالص تمہارے لیے ہی ہے اور لوگوں کے لیے نہیں تو موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو۔

آیت کا مفہوم بالکل واضح ہے اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا خیال ہے کہ صرف تمہارا فرقہ ہی ناجی ہے اور جنت و نعیم جنت بس تمہارے لیے ہی ہیں کسی اور کا ان میں حصہ نہیں تو کیا تمہارے دل میں کبھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کب وہاں پہنچوں اور کب اپنی جنت کی نعمتوں سے فیضیاب ہوں۔ افسوس کہ قشری علماء نے عدمِ معرفت کے باعث ہر آیت و حدیث کے مفہوم کو اپنی رائے اور قیاس کے مطابق تحریف کر کے بے سود بنا دیا ہے کہ اس سے کسی کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا اور کوئی شخص ان محرف مفاہیم سے ہدایت

نہیں پاسکتا۔ یہ کیفیت جو آیت میں ظاہر کی گئی ہے صرف اسی شخص کے نفس پر طاری ہوسکتی ہے جو معرفت کی راہ پر چلے، وہ راستہ جو آئمہ طاہرین علیہم السّلام نے معرفتِ نفس حاصل کرنے کے لیے بتایا ہے۔ اگر نفس کی غفلت کچھ کم ہوجائے تو موت کا خیال ناگوار نہ ہوگا اور آگے بڑھ کر اس سے سرور حاصل ہونے لگے گا۔ افسوس کہ متکلمین نے معرفتِ نفس کی جڑ ہی کاٹ دی ہے اور ہماری قوم کے افراد کی اکثریت اس نعمت سے محروم ہے۔

۶۔ محبتِ اہلِ بیتؑ

ہمارے افرادِ قوم کو اس پر فخر ہے کہ ہم محبانِ اہلِ بیتؑ ہیں۔ ہمارے گھر میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ جب بولنا سیکھتا ہے تو علیؑ، حسنؑ، حسینؑ کے نام اس کے وردِ زبان ہوتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی محبِّ اہلِ بیتؑ ہے۔ افسوس صد افسوس ہمارے علماء و عوام ان لفاظ کا مفہوم بھی نہیں سمجھتے جو ایسی کیفیاتِ نفس ظاہر کرتے ہیں جو ہر شخص پر طاری ہوتی رہتی ہیں۔ جن کا احساس و تجربہ ہر شخص کو ہوتا رہتا ہے۔ اگر کسی شخص کا جوان فرزند فوت ہوگیا ہو اور وہ کہتا پھرے کہ مجھے اپنے بیٹے سے بڑی محبت ہے تو میں آپ کو امام حسینؑ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا آپ یہ نہ کہیں گے کہ افسوس داغِ پسر نے بیچارے کا دماغ پھرا دیا۔ اب غور کرکے بتائیں کہ مدعیانِ محبتِ اہلؑ بیت کو آپ کیا کہیں گے۔ محبت تو محسوس اور حاضر سے ہوتی ہے نہ کہ غیر محسوس اور غائب سے۔ یہ جذبہ جس کو محبت اہلؑ بیت سمجھا جاتا ہے یہ تو اُن سنے سُنائے اسماء کی محبت ہے جن کو نفس اپنی ہر خواہش و جذبہ کی تسکین پر قادر اور اس کا ذریعہ جان کر اپنی بقا کا ایک سبب سمجھتا ہے اور اضطرار کے وقت وہ ہی نفس کی توجہ کا مرکز ہوکر باعث تسکین ہوتے ہیں۔ یہ تو اپنے مرکزِ توجہ فی الاضطرار کی اور نتیجہ میں اپنی خواہشِ بقاء کی محبت ہے۔ اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ بچے کو بھی یہ سُنے سنائے نام محبوب ہوتے ہیں تو کیا اس کو ذواتِ مقدسہ اہلِ بیت علیہم السّلام سے محبت ہوتی ہے۔ وہ تو ان اسماء کے مسمّٰی اور معنی کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔

یہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ یہ عرفی محبت اُن سُنے سُنائے اسماء کی اور نفس پر بنے ہوئے نقوش اور اپنے تخیل کی محبت ہے نہ کہ انوارِ قدس کی۔

یہ بحث جب کسی عالم یا تعلیم یافتہ شیعہ کے سامنے آتی ہے تو لایعنی تاویلیں شروع کر دیتے ہیں۔ اکثر یہ تاویل پیش کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے اوصاف حمیدہ ایثار و خدمتِ خلق و بلند اخلاق کا مسلسل ذکر سنتے رہیں تو اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ افسوس کہ محبت کا مفہوم کیسا مسخ ہو گیا ہے کہ قلوب پر ایسی مہریں لگ گئی ہیں کہ اپنے نفس پر وارد ہونے والی کیفیات کو بھی نہیں سمجھ سکتے اور خدا اور رسولؐ کی تکذیب کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ محبوب غائب کی محبت کی علامت تو ہر بچہ بتاتا رہتا ہے کہ جب وہ اپنے محبوب سے جدا ہو جاتا ہے تو اس کا نام سُن کر اس کا دل لرزتا ہے۔ اب خدا کا کلام بھی دیکھ لیں اور جرأت ہو تو اس کی بھی تکذیب کر دیں۔ ارشادِ باری ہے۔

(۱)۔ حُبِّ شدید کی علامت

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ

ترجمہ:۔

(البقرہ۔ آیت:۱۶۵)

اور لوگوں میں سے ایسے ہیں کہ غیر اللہ کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہیے اور جو ایمان لائے ہیں وہ اللہ کی محبت میں بڑے شدید ہوتے ہیں۔

جناب باری تعالیٰ عزاسمہ نے تو اپنے کلام پاک میں پوری پوری ہدایت فرما دی ہے۔ مگر جس کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہوں گی وہ ہی تو دیکھ سکے گا اور جس کے پاس سمجھنے والا دل ہو گا وہ ہی سمجھ سکے گا۔ قرآن نے ایمان کی علامت حُبِّ شدید بتا دی اور حُبِّ شدید کی علامت

بھی ظاہر کر دی جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ

(الانفال:۔ آیت: ۲)

ترجمہ:۔

سوائے ان کے کوئی مومن نہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں۔

اب دیکھ لیں کہ محبوبِ غائب کی محبت کی علامت اللہ تعالیٰ نے کس قدر کھول کر بیان کر دی ہے۔ کہ اگر حقیقی محبت ہوگی تو محبوبِ غائب کا نام سننے سے ایسی کیفیت طاری ہوگی جیسی کہ اپنے بچھڑے ہوئے محبوب کا نام سننے سے بچے کے دل پر طاری ہوتی ہے۔ یہ علامت اور یہ کیفیت تو راہِ معرفت پر چلنے سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ جس کی آلِ رسولؑ نے تعلیم دی ہے کہ بہت زیادہ عرصہ اس پر عمل کرتے نہیں گزرتا کہ یہ کیف پیدا ہونے لگتا ہے اور خدا اور رسولؐ و آلِ رسولؑ کے اسماء سننے یا دیکھنے سے قلب لرزتا ہے۔ وجدان طاری ہوتا ہے۔ اکثر آنسو بھی جاری ہو جاتے ہیں۔ افسوس کہ ہماری قوم کی اکثریت اس نعمت سے محروم ہے۔ خدا کا کلام تو دیکھ لیا اب جن سے دعویٰ محبت ہے ان کے فرمودات بھی دیکھ لیں۔

۱۔ از امام محمد باقر علیہ السّلام ''اے جابر مذہب باطلہ تم کو مذہب حق سے نہ ہٹا دے۔ کیا ایک شخص کے لیے یہ کہنا کافی ہے کہ میں علیؑ کو دوست رکھتا ہوں۔ اس کے سوائے وہ کچھ کرنے والا نہ ہو۔'' (الشافی جلد: ۲۔ صفحہ: ۹۴ سطر: ۱۷)

۲۔ اگر وہ کہے میں رسولؐ اللہ کو دوست رکھتا ہوں۔۔۔اس کے بعد رسولؐ کی سیرت کی پیروی نہ کرے اور ان کی سنت پر عمل نہ کرے تو حضرتؐ کی محبت اسے کچھ فائدہ نہ دے گی (الشافی جلد: ۲۔ صفحہ: ۹ سطر: ۲۰)

۳۔ ایک طولانی حدیث میں امام محمد باقر علیہ السّلام کا ارشاد ہے۔ ''جو شخص خدا کا

مطیع ہے وہ ہی ہمارا دوست ہے اور جو شخص خدا کا نافرمان ہے وہ ہی ہمارا دشمن ہے۔ ہماری دوستی تو سوائے پرہیز گاری اور عمل صالح کے کسی طرح سے حاصل نہیں ہو سکتی"۔ (اعتقادیہ شیخ صدوق ناشران مکتبہ امامیہ لاہور صفحہ: ۲۱۲ سطر: ۳)

(ب)۔ صفاتِ محب

محبت کی تعریف تو یہ ہے کہ محبت وہ جذب و کشش ہے جو ناقص نفس کو کامل کی طرف پیدا ہو بغرضِ حصولِ کمال جو اس میں دیکھتا ہے۔ پس محبتِ اہلِ بیت کی ابتدا تو اس روز ہوگی جس دن کسی شخص کے دل میں آئمہ علیہم السّلام کے کمالات کے سمندر میں سے ایک قطرہ حاصل کرنے کی طلب پیدا ہوگی۔ افسوس عقلوں پر کیسا پردہ پڑا ہوا ہے کہ نمازِ عیدین کی دعاء قنوت میں بارگاہِ ربُّ العزّت سے زبان سے تو یہی طلب کرتے ہیں مگر صرف طوطے کی طرح پڑھ لیتے ہیں۔ سمجھنا تو ان کے نزدیک مذہب کی رو سے ضروری نہیں اس لیے کہ بچپن سے یہ سبق پڑھا دیا گیا ہے کہ بس پڑھنا بہت ثواب ہے سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ تو بیچارے پڑھنے والے کیسے سمجھ سکتے ہیں اور بہت سے تو سمجھتے بھی ہیں مگر اس پر بھی ان کی توجہِ قلبی مفہوم کی طرف نہیں ہوتی۔ غور کریں کیا دُعاء قنوت میں یہ نہیں پڑھتے۔

اَسْئَلُکَ بِحَقِّ هٰذَا الْیَوْمِ الَّذِیْ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَنْ تُدْخِلَنِیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ اَدْخَلْتَ فِیْهِ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ وَاَنْ تُخْرِجَنِیْ مِنْ کُلِّ سُوْٓءٍ اَخْرَجْتَ مِنْهُ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ۔۔۔۔۔۔۔الخ

ترجمہ:۔

(یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں آج کے دن کے واسطہ سے یہ کہ رحمت نازل کر محمدؐ و آلِ محمدؐ پر اور یہ کہ مجھے بھی داخل کر دے

ان تمام نیکیوں میں جن میں تو نے محمدؐ وآلِ محمدؐ کو داخل کیا اور یہ

کہ مجھے بھی ان تمام برائیوں سے نکال دے جن میں سے تو نے

محمدؐ و آلِ محمدؐ کو نکالا ---------------- تا آخر۔

یہ نعمتِ عظمیٰ زبان سے طلب کرتے ہوئے ذرا بھی نہیں سمجھتے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ زبان سے حق کہنا جب کہ دل میں نہ ہو نفاق کی علامت ہے۔ پھر بھی کبھی سمجھنے کی خواہش نہیں ہوتی۔ جناب امیرالمومنین علیہ السّلام تو فرماتے ہیں۔ ''اس عبادت میں کوئی بھلائی نہیں جس میں سمجھ نہ ہو'' یعنی جو عبادت بے سمجھے کی جائے وہ فضول اور بے کار ہے۔ یہاں بے سمجھے ہی ثواب کما لینے کے خیال میں غرق ہیں۔ اس کے تو عادی ہو گئے ہیں۔ یہ خیال ذہن نشین ہو گیا ہے کہ سمجھنا تو ہمارے مذہب میں ضروری ہے ہی نہیں۔

اس غفلت کی ایک اور مثال بھی دیکھ لیں کہ جب امام مظلوم سید الشہداء علیہ السّلام کی زیارت وارثہ جس کو ستر شہداء کا ثواب حاصل کرنے کے لیے پڑھتے ہیں تو خدا کو' ملائکہ کو' انبیاء کو گواہ کر کے کتنا بڑا جھوٹ بولتے ہیں۔ ذرا غور کریں کہ اس وقت کیا کہتے ہیں۔

اُشْهِدُ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَ اَنْبِيَاءَهُ وَ رُسُلَهُ اَنِّي

بِكُمْ مُؤْمِنٌ" وَ قَلْبِيْ لِقَلْبِكُمْ سِلْمٌ" وَاَمْرِيْ

لِاَمْرِكُمْ مُتَّبِعٌ" ----------------- الخ

ترجمہ:۔

میں اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کے انبیاء کو اور اس

کے رسولوں کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں تم پر ایمان

لایا ہوں--- میرا قلب تمہارے لیے مطیع کامل ہے اور

میرا ہر کام تمہارے کاموں کے عین مطابق ہے۔

(ج)۔ محبت پیروئ اعمال

سبحان اللہ۔ اتنے بڑے جھوٹ پر جو خدا و ملائکہ ٗ انبیاء و رُسُل کو گواہ کر کے بولا جائے بہت بڑا ثواب ملنا ہی چاہیے۔ افسوس کیا یہ کھلا ہوا نفاق نہیں ہے۔ خدا ہمارے حال پر رحم کرے اور توفیق ہدایت عطا فرمائے۔

اب محبوب غائب کی محبت کی فطری علامات خود اپنے نفس ہی میں دیکھ لیں۔ اگر آپ کا کوئی محبوب جس سے شدید محبت ہو سفر میں کہیں دور دراز مقام پر ہو تو کیا ہر تیوہار پر اور خوشی کی ہر تقریب پر اس کی یاد نہیں ستاتی۔ کیا وہ خوشی اس کی عدم موجودگی کی وجہ سے خفیف نہیں ہو جاتی۔ بعض اوقات تو اس کی یاد میں آنسو بھی آجاتے ہیں۔ اب ہمیں چاہیے کہ اپنے دعوائے محبتِ اہلِ بیت کو اسی فطری کسوٹی پر پرکھ لیں۔ گیارہ امام تو شہید ہو چکے اور وفات پا چکے حالانکہ وہ مردہ نہیں ہیں مگر اہلِ بیتؑ کے گھرانے کی واحد نشانی امامِ زمانہ بقیۃ اللہ دنیا میں موجود ہے۔ کیا مدعیانِ محبت کو اس کی حضوری کی تڑپ ہوتی ہے کیا اس کی یاد میں کبھی آنکھوں میں آنسو آتے ہیں۔ کیا کسی تیوہار پر یا کسی خوشی کی تقریب پر اس کی یاد ستاتی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر علاماتِ محبت نہ ہوتے ہوئے دعوائے محبتِ اہلِ بیت فریب نفس کے سوائے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس فریب کے رازوں میں سے ایک راز یہ ہے کہ پیشوایانِ دین کے نام سننے سے نفس پر نقوش بنتے رہتے ہیں۔ جتنی تکرار سے سنتا ہے اتنے ہی گہرے ہوتے جاتے ہیں اور اس کو اپنے ان نقوش سے محبت ہوتی ہے۔ جس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ شیعہ حضرات کے نفوس چونکہ علیؑ اور حسینؑ یہ دو نام بہت تکرار سے سنتے رہتے ہیں بس ان ہی اسماء کے نقوش بہت گہرے بیٹھ جاتے ہیں۔ لہٰذا شیعوں میں ہر شخص کے نفس پر جو کیفیت ان دو ناموں کے سننے سے ہوتی ہے وہ دیگر معصومین کے اسماء سے نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ امام حسنؑ کے نام سے بھی وہ کیفیت طاری نہیں ہوتی۔ حق تو بہت کڑوا ہوتا ہے۔ مگر دفع فساد و امراض کے لیے کڑوی دوا ہی مفید ہوتی ہے۔ پس جس کے دل

میں اہلِ بیت کی کچھ وقعت ہوگی وہ تو ان رازوں کو سمجھنے کی کوشش ضرور کرے گا اور محبت حقیقی کا بارگاہِ احدیت سے طالب ہوگا۔ مذکورہ بالا فطری کیفیتِ قلبی کا ایک حدیث میں بھی ذکر کیا گیا ہے جو حسب ذیل ہے:۔

حضرت ابو عبداللہ علیہ السّلام نے فرمایا۔ "جو سانس نکلتا ہے ہمارے متعلق فکر کرنے میں ظہور قائم آلِ محمدؑ کے متعلق اور غمناک ہوتا ہے ہماری مظلومیت پر تو اس کا یہ عمل بہ منزلہ تسبیح ہے (تا آخر حدیث)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(الشافی ترجمہ اصول کافی جلد: ۲۔ صفحہ: ۲۲۸ سطر: ۱۱)

اہلِ بیتؑ کی محبت کا دعویٰ کرنے والو تمہیں خونِ حسینؑ کی قسم بتاؤ کیا کسی کے لب سے فکرِ ظہور میں آہیں نکلتی ہیں۔ کیا اہلِ بیت کی واحد نشانی کی تنہائی و بے یاری پر کسی کے دل کو اذیت ہوتی ہے؟ کیا اس کے فراق میں کسی آنکھ سے قطرۂ اشک ٹپکتا ہے؟ نہیں نہیں بالکل نہیں۔ یہ کیف تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کے وجود کا یقینِ قلبی حاصل ہو۔ یہ تو نفس نے سوتے ہوئے سُنا سُنایا مان رکھا ہے۔ جس کی حقیقت خواب میں کچھ مان لینے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس مضمون کے کچھ بند ایک نظم کے یاد آگئے جو ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ اس نظم میں آنکھ کے اوصاف و فوائد بیان ہو رہے ہیں یہاں تک کہ یہ بیت آتی ہے۔

(د)۔ غائب کی محبت کی علامت

اسی سے آپ کے دل کا غبار دُھلتا ہے
یہ ہی ہے جس سے محبت کا راز کھلتا ہے

حبیب دُور ہو پھر کیسے اس کو کل آئے　　　لگی رہے گی یہ در کو نہ گو محل آئے
تکے گی آس اب آئے کوئی کہ کل آئے　　　خیال آئے کہ آنسو وہیں نکل آئے

خمیرِ درد کسی کے جو آب و گِل میں ہے
تو یہ بتائے گی فوراً کہ کوئی دل میں ہے

مگر جو دل میں نہ ہو اور فقط زبان پہ ہو
یقین صرف روایات اور بیان پہ ہو
بنا یقیں کی حکایات اور گمان پہ ہو
تو پھر یہ کیف نہ بوڑھے پہ نے جوان پہ ہو

سُنی سُنائی ہے اِک بات یاد کر لی ہے
کچھ ہو نہ ہو پہ طبیعت تو شاد کر لی ہے

یہ کیف جس سے ہو طاری وہ مے چکھی ہی نہیں
سرور آئے کہاں سے شراب پی ہی نہیں
طلب بھی اس کی ہو کیوں جب کبھی ملی ہی نہیں
شراب خانہ کے دَر پر نظر گئی ہی نہیں

سرور سَیر میں ہی پا چکے یہ جانا ہے
کتاب خانہ ہے یا وہ شراب خانہ ہے

یہ چند بند ہی عبرت حاصل کرنے اور طلبِ حُبِّ حقیقی پیدا کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اس پر تو بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر طول بہت ہو گیا ہے لہٰذا صرف ایک علامتِ محبت اور دیکھ لیں اور اس پر غور کر لیں۔ اور وہ یہ ہے کہ ہمیں جس سے محبت ہوتی ہے اس کی مصیبت کا حال سُن کر دل پر اثر ہوتا ہے۔ خواہ بیان کرنے والے کو صحتِ لفظی بھی نہ ہو بلکہ الٹے سیدھے غلط سلط الفاظ میں مطلب ظاہر کر دے۔ وہاں اس کی ضرورت نہیں ہوتی کہ بیان کرنے والا دردناک آواز اور غم انگیز لہجہ بنا کر ہی بیان کرے تب ہی قلب متاثر ہو۔ اب میں خونِ حسینؑ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں۔ بتاؤ اگر ذاکر کے منہ سے سبقتِ لسانی کی وجہ سے غلط الفاظ نکل جائیں تو مجلس کا کیا رنگ ہو جاتا ہے۔ یا اگر ایک مبتدی ذاکر مصائب بیان کرتا ہے تو اس کا سامعین پر کیا اثر ہوتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔

ہر چند کہ یہ آیات و احادیث و دلائل فطری ایسے ہیں کہ ان کا پڑھنے والا مایوسی میں مبتلا ہو جائے مگر مایوس کبھی نہیں ہونا چاہیے۔ جنابِ ارحم الرّاحمین کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں۔ اس کی رحمت تو بہانہ تلاش کرتی ہے۔ بارگاہِ احدیت میں اسماء معصومین اتنے محبوب ہیں کہ ان کا ذکر

کرنے والوں اور ان اسماء سے محبت کرنے والوں سے رحمتِ ایزدی قریب ہو جاتی ہے۔ وہ تو فرماتا ہے۔ لا تقنطوا من رحمتہ اللہ (اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا) ہمیں کسی حالت میں جناب ارحم الرّاحمین کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا چاہیے بلکہ اس کی بارگاہ سے اہلِ بیت کی حُبِ حقیقی طلب کرنی چاہیے تا کہ وہ ہم کو یہ نعمت عطا فرمائے وہ تو اسی کی بارگاہ سے طالبین کو مرحمت فرمائی جاتی ہے۔

۷۔ پیروئ اہلِ بیتؑ

ہمیں بچپن سے یہ سبق پڑھا دیا جاتا ہے کہ ہم پیروانِ اہلِ بیتؑ ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہماری قوم کا ہر فرد مدعی ہے کہ ہم پیروانِ اہلِ بیتؑ ہیں یہاں تک کہ ہر رشوت خور بدیانت فاسق وفاجر، چور، ڈاکو جو بھی مذہب شیعہ اثنا عشری میں داخل ہو یا قبول کر لے اور مجالس و ماتم میں شرکت کرتا ہو پیروِ اہلِ بیتؑ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ افسوس کہ معمولی روزمرّہ کے بولے جانے والے الفاظ کا بھی مفہوم نہیں سمجھتے۔ پیروی کے معنی ہیں قدم بہ قدم چلنا یعنی کوئی شخص جو آگے آگے جارہا ہو یا آگے چل کر گیا ہو اس کے پیروں کے نشان جو زمین پر بن گئے ہوں ان ہی نشانات پر پیر رکھتے ہوئے چلنا اسی کو قدم بہ قدم چلنا بھی کہہ دیتے ہیں۔ ایک معمولی عقل کا آدمی بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں اہلِؑ بیت کا پیرو ہوں وہ اہلِ عالم پر یہ ظاہر کر رہا ہے کہ جو کام میں کر رہا ہوں وہی ہیں جو حضرات آئمہ اہلِ بیت کیا کرتے تھے۔ کیا یہ اہلِ بیت طاہرین علیہم السّلام کو سب وشتم کرنا نہیں ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ اب تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اہلِؑ بیت کی پیروی کے معنی یہ ہیں کہ پیروی کرنیوالے کے اعمال و افعال آلِ رسولؐ کے اعمال وافعال کی پوری پوری نقل ہوں۔ جنابِ ربُّ العزت ہمیں اپنے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرے اور الفاظ کے مفاہیم سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۸۔ وجوبِ جنت

بچپن سے ہی یہ خیال ذہن نشین کرا دیا جاتا ہے کہ ہم پر جنت واجب ہو چکی ہے اور جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ○ (اور اللہ نجاست ڈال دیتا ہے اُن لوگوں پر جو عقل سے کام نہیں لیتے) پس جو شخص عقل سے کام لینے والا ہوگا اور اس پر خدا نے نجاست نہ ڈالی ہوگی وہ تو سمجھ سکے گا کہ یہ تخیل کتنا مضر اور حق سے دور کرنے والا ہے۔ جنت تو صاحبانِ تقویٰ کے لیے ہے۔ جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ○

ترجمہ:۔ (القصص۔ آیت:۔ ۸۳)

یہ آخرت کا گھر (یعنی جنت) تو ہم ان لوگوں کے لیے مقرر کرتے ہیں جو زمین میں کسی بلندی کے خواستگار نہیں ہوتے اور نہ فساد چاہتے ہیں اور نیک انجام تو متقین کے لیے ہی ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا میں نام و نمود، عزت و شہرت حاصل کرنے کے لیے جو لوگ کام کرتے ہیں وہ متقی نہیں۔ جو خدا کی خوشنودی اور ادائے فرض کے لیے کام کرتے ہیں ان کو عزت و شہرت بے طلب مل جاتی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مقبول ترجمہ میں حاشیہ پر یہ حدیث منقول ہے۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان ہے۔

"اگر کسی شخص میں اتنی خود بینی بھی سما جائے کہ میرے جوتے کے تسمے ساتھی کے جوتے کے تسمے سے کہیں بہتر ہوں تو وہ ان لوگوں میں داخل ہو جائے گا جو زمین میں تکبر کرنے والے اور فساد پھیلانے والے ہیں"۔

بڑے سے بڑا متقی بھی اپنے آپ کو جنت کا مستحق نہیں سمجھتا اور اپنی نجات کا یقین کئے

ہوئے نہیں ہوتا۔ البتہ رب کی رحمت سے اس کو نجات کی امید ہوتی ہے۔ اس لیے کہ نجات کا یقین کر لینا عذاب سے بے خوف ہو جانا ہے۔ ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ کسی شے کے ملنے کی امید تو اسی وقت تک ہو سکتی ہے جب تک اس کے ملنے کا یقین نہ ہو اور اس کے نہ ملنے کا خوف اسی وقت تک ہو سکتا ہے جب تک اس کے ملنے میں شک ہو۔ پس جب یہ خیال ذہن نشین ہو جائے کہ ہم تو یقیناً ناجی ہیں جنت ہم پر واجب ہو چکی ہے۔ وہ تو ہماری مِلک ہے۔ پھر نہ امید رہ سکتی ہے نہ خوف اور حضرات آئمہ معصومین علیہم السّلام کی کتنی ہی احادیث میں ایمان کی علامت خوف ورجاہی بتائی ہے۔ دیکھیں احادیث مندرجہ ذیل۔

خوف ورجاء

۱۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام کی ایک طویل حدیث میں ہے۔ "ہر بندۂ مومن کے دل میں دو نور ہیں۔ نورِ خوف و نورِ رجاء۔ اگر اِسے وزن کیا جائے تو اُس سے زیادہ نہ ہو گا اور اگر اُسے وزن کیا جائے تو اِس سے زیادہ نہ ہو گا"۔

(الشافی ترجمہ: اصولِ کافی جلد: ۲۔ صفحہ: ۸۷ سطر آخر)

۲۔ فرمایا ابو عبداللہ علیہ السّلام نے "جس نے اللہ کو پہچانا وہ اس سے ڈرا اور جو اس سے ڈرا اس کا نفس دنیا سے بیزار ہوا"۔ (الشافی جلد: ۲۔ صفحہ: ۸۸ سطر: ۱۲)

۳۔ راوی کہتا ہے میں نے حضرت ابو عبداللہؑ سے کہا بعض لوگ گناہ کرتے ہوئے بخشش کی اُمید رکھتے ہیں۔۔۔ فرمایا "یہ لوگ غلط آرزوئیں کرتے ہیں۔ یہ رجا والے نہیں۔ جو کسی شے کا آرزومند ہوتا ہے وہ اس کی طلب میں رہتا ہے اور جو کسی شے سے ڈرتا ہے وہ اس سے بھاگتا ہے"۔ (صفحہ: ۸۸ سطر: ۱۴)

۴۔ میں نے حضرت ابو عبداللہ علیہ السّلام سے کہا۔ آپ کے دوستوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو معاصی پر ملامت کی جاتی ہے لیکن وہ کہتے ہیں ہمیں اُمید بخشش

ہے۔'' فرمایا وہ جھوٹے ہیں وہ ہمارے دوست نہیں۔ جو کسی شے کی اُمید کرتا ہے تو اسکے لیے کام بھی کرتا ہے اور جو کسی شے سے خوف کرتا ہے تو اس سے بھاگتا ہے''۔ (صفحہ:۸۸سطر:۲۰)

۵۔ فرمایا ابوعبداللہ علیہ السّلام نے:۔'' کوئی بندۂ مومن ایسا نہیں جس کے دل میں دو نور نہ ہوں۔ نورِ خوف اور نورِ رجا۔ اگر ان دونوں کو وزن کیا جائے تو ایک کو دوسرے پر فوقیت نہ ہوگی''۔ (صفحہ:۹۱۔سطر:۱۱)

عملِ خیر بغیر مالک کی توفیق ہو ہی نہیں سکتا

لائق غور امر ہے کہ کوئی عملِ خیر جو انسان بجالائے گا تو اعضاء و جوارح ہی سے کرے گا۔ وہ کس کے عطا کردہ ہیں۔ جس قوت سے اُس نے اعضاء کو حرکت دی وہ کس کی دی ہوئی ہے۔ پھر کوئی عملِ خیر بغیر مالک کی توفیق ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ دعاء صباح میں ہے۔ جو حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے اوراد میں سے ہے:۔

اِلٰهِی اِنْ لَمْ تَبْتَدِءْ فِی الرَّحْمَةُ مِنْکَ بِحُسْنِ التَّوفِیْقِ
فَمَنِ السَّالِکُ بِی اِلَیْکَ فِیْ اَوْضَعِ الطَّرِیْقِ ۔

ترجمہ:۔

اے میرے معبود اگر تو اپنی طرف سے ہی رحمت کی ابتداء نیک توفیق سے نہ کرے گا تو کھلے سے کھلے راستہ میں بھی مجھے تیری طرف چلانے والا کون ہوگا۔

پس جب اعضاء اس کے' قوت جس سے کام کیا اس کی' یہ جان جو جسم میں ہے اس کی' توفیق بھی اس کی، پھر بندہ معاوضہ کس چیز کا مانگتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ بندہ کسی معاوضہ کا

مستحق نہیں۔ اس سب کے باوجود وہ فرماتا ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا

ترجمہ:۔ (الانعام: آیت ۱۶۰)

جو ایک نیکی کرے اس کے لیے دس گنا اس کا بدلہ ہے۔

یہ تو محض اس کا کرم اور اس کی رحمت ہی ہے کہ ہر کار خیر کا وہ دس گنا اجر عطا فرماتا ہے۔ جب کہ بندہ کسی لحاظ سے بھی کوئی استحقاق نہیں رکھتا اور کسی معاوضہ کا مستحق نہیں۔

اس وقت ایک حکایت یاد آگئی۔ کتاب تو اس وقت سامنے نہیں، مگر اس کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بڑا عابد تھا جس کی عمر بہت طویل تھی۔ اس نے سو ڈیڑھ سو سال سے زیادہ مسلسل عبادت کی تھی۔ ایک روز حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کا گزر اس کی طرف سے ہوا۔ اس نے آنحضرت سے کہا کہ اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ سے ذرا دریافت کر لینا کہ میری عبادات کے بدلے اس نے جنت میں میرے لیے کیا کیا نعمات مہیا فرمائے ہیں۔ حضرت موسیٰ جب طور پر پہنچے اور اس کا سوال پیش کیا تو قدرت کی طرف سے جواب ملا کہ اے موسیٰ اس کو اس سوال کا کل ہی جواب مل جائے گا۔ چنانچہ دوسرے روز جب وہ عابد اپنی ضروریات مہیا کرنے باہر آیا اتفاق سے راہ بھول کر ایک لق ودق صحرا میں جا نکلا جہاں دور دور سایہ کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ عابد کو پیاس لگی۔ ہر طرف دوڑا۔ پیاس کی شدت سے نڈھال ہو گیا۔ ناگاہ ایک شخص پانی لیے جاتا ہوا نظر آیا۔ عابد نے گڑگڑا کر پانی مانگا۔ اس نے انکار کر دیا اور کہا تو اس کی قیمت نہیں دے سکتا۔ عابد نے دریافت کیا کہ ایک گلاس پانی کی قیمت کیا ہے اس نے کہا کہ اپنی تمام عمر کی عبادت دے دے۔ عابد نے کچھ سوچا۔ پھر خیال کیا کہ اور عبادت کر لوں گا اس وقت جان تو بچ جائے۔ چنانچہ ایک جام آب کے بدلے تمام عمر کی عبادت دے دی۔۔۔۔۔۔(با آخر)

یہاں یہ دکھانا مقصود تھا کہ انسان تو مالک کی ہوا میں ایک سانس لینے کی قیمت بھی نہیں ادا کرسکتا۔ پھر اس کا اپنے کسی عمل پر بھروسہ کرنا کتنی نادانی ہے۔ جب بندے سے کوئی عمل خیر سرزد ہو تو لازم ہے کہ مالک کا شکر ادا کرے کہ اس نے اتنی توفیق عطا فرمائی کہ یہ کام سرانجام دے سکا۔ اسی لیے ہر نماز کے بعد سجدۂ شکر کرنا لازم ہے۔ یہی مضمون کلام پاک کی آیات سورۂ حجرات میں موجود ہے۔

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَىَّ
اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

ترجمہ:۔ (الحجرت: آیت۔ ۱۷)

تم پر یہ لوگ احسان جتاتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے
ان سے کہہ دو اپنے اسلام لانے کا مجھ پر احسان نہ دھرو
بلکہ یہ تو اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمھیں ایمان
کی طرف ہدایت کی وہ بھی جب کہ اگر تم سچے بھی ہو۔

اعتراف تقصیر

رسولؐ وآلِ رسولؑ کی تعلیم تو یہ ہے کہ اپنے کسی عمل پر بھروسہ نہ کرو۔ اس کے عذاب سے ڈرتے رہو اور ہر وقت اپنی تقصیر کا اعتراف کرتے رہو۔ مگر کسی حال میں اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اس کی رحمت تو بہانا تلاش کرتی ہے۔ اس کے غضب سے اس کی رحمت کہیں زیادہ وسیع ہے اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اعتراف تقصیر کے متعلق اکثر احادیث وارد ہوئی ہیں مثلاً۔

۱۔ فرمایا امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام نے "عبادت وطاعتِ خدا میں اپنی تقصیر کے

معترف رہو کیونکہ خدا کی عبادت کا کوئی حق ادا نہیں کرسکتا۔'' (الشافی جلد:۲ صفحہ:۹۳)

۲۔ امام محمد باقر علیہ السّلام نے جابر جعفی سے فرمایا۔ ''خدا تم کو نقص و تقصیر سے خارج نہ کرے۔'' (صفحہ:۹۳ سطر:۵)

۳۔ فرمایا ابوالحسن علیہ السّلام نے ''اکثر یہ دعا کیا کرو۔ خداوندا مجھے عاریتی ایمان و اقرار نہ دے اور مجھے تقصیر سے خارج نہ کر۔ جو عمل تم کرو اپنے دل میں کم ہی سمجھو۔ کیوں کہ جو عمل بندوں کا' خدا اور ان کے نفس کے درمیان ہے وہ ان میں ضرور کوتاہی کرنے والے ہیں۔ سوائے ان کے جن کو خدا نے معصوم بنایا۔'' (صفحہ:۹۳ سطر:۱۲)

رسولؐ و آلِ رسولؐ نے اعترافِ تقصیر کے لیے محض زبانی ہدایات ہی نہیں دی ہیں بلکہ عملی تعلیم دی ہے اور خود کر کے دکھایا ہے۔ دیکھیں دعاء صباح جو اوراد امیر المومنین علیہ السّلام میں سے ہے۔ بارگاہِ ایزدی میں عرض کرتے ہیں:۔

اِلٰهِي اَ تَرَانِیْ مَا اَتَیْ مَا اَ تَیتکَ اِلا من حیث الْاَ مَالِ

اَمْ عَلِقْتُ بِاَ طْرافِ حِبَالِکَ اِلَّا حِیْنَ بَاَ عَدْ تنی

ذُنُوْبِیْ عَنْ دَارِ الْوِصَال فَبِئسَ الْمَطِیَّةُ الَّتِیْ اَمْتَطَتْ

نَفْسِی مِنْ هَوَا فوا هَا لَهَا لما سوَّلَتْ لَهَا ظُنُوْ نُهَاُ وَ

مُنَاهَا وَ تَبّاً لَهَا لِجُراَ تِهَا عَلیٰ سَیّدِ هَاوَ مَوْ لاَ هَا

ترجمہ:۔

اے میرے معبود کیا تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں تیرے در پر نہیں آیا ہوں مگر بڑی بڑی اُمیدیں لگا کر اور میں نے تیری رسیوں کے کناروں کو نہیں پکڑا مگر اس وقت جب کہ میرے گناہوں

نے دارِ وصال سے مجھے بہت دور کر دیا۔ پس وہ سواری
کیسی بُری تھی جس پر میرا نفس اپنی خواہشات سے سوار ہو گیا۔
پس تُف ہے اس پر اور اُن چیزوں پر جن کو اس کی تمنا دوں
اور گمانوں نے بنا سنوار کر اسے دکھلایا اور ہلاکت ہو اس کو
اس کی جرأت پر جو اس نے اپنے سیّد و مولا کے خلاف کی۔

اب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوراد میں سے بھی کچھ دیکھ لیں۔ دیکھیں جوشن صغیر جو آنحضرتؐ کے اوراد میں ہے۔ اس کی پانچویں فصل ملاحظہ ہو۔

وَاسْتُمِيْحَ بَابُ فَضْلِكَ فَمَا اَكْدَيْتَ اَبَيْتَ اِلَّا
اِنْعَامًا وَامْتِنَانًا وَّ اِلَّا تَطَوُّلًا يَا رَبِّ وَاِحْسَانًا وَّ
اَبَيْتُ يَا رَبِّ اِلَّا انْتِهَاكَ حُرُمَاتِكَ وَاجْتِرَاءً
عَلٰى مَعَاصِيْكَ وَتَعَدِّيًا لِحُدُوْدِكَ وَغَفْلَةً
عَنْ وَعِيْدِكَ وَطَاعَةً لِعَدُوِّيْ وَعَدُوِّكَ۔

ترجمہ:۔

جب تیرے دروازۂ کرم پر صدا دی گئی تو تحمل نہ کیا تو نے اور
راضی نہ ہوا تو اے رب میرے سوائے انعام و اکرام کے اور
عنایات و منّت و احسان کے اور میں اے رب راضی نہ ہوا
تیرے محرمات کی پاسداری پر اور تیرے گناہوں پر جرأت کی
اور تیری حدود سے آگے بڑھ گیا اور تیرے وعید عذاب سے
غفلت کی اور اپنے اور تیرے دشمن (شیطان) کی اطاعت کی۔

اللہ اکبر معصومینؑ تو ہمیں سکھانے کے لیے اعترافِ تقصیر کر کے عملی طور پر دکھائیں اور ہم

جنت کے ٹھیکہ دار ہی بنے اطمینان سے بیٹھے رہیں۔ جناب ربُّ العزت بہ تصدق محمدؐ و آلِ محمدؐ ہمیں اعتراف تقصیر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

۹۔ بکاء علی الحسینؑ

ہماری قوم کا ہر فرد یقین کیے ہوئے ہے جیسا کہ ان حالات میں فطرتاً ہونا چاہیے کہ ہم حسینؑ پر روتے ہیں لہٰذا ہم پر جنت واجب ہے۔ مجالس میں سنتے رہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

مَنْ بُکیٰ عَلیٰ الْحُسَیْنِ وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃ۔

ترجمہ:۔

جو حسینؑ پر روئے اس پر جنت واجب ہے۔

یہ حدیث احادیث متواترہ میں سے ہے۔ اس کی صحت میں کوئی شک وشبہ نہیں اور رونا صحتِ جسمانی اور روحانی کے لیے واقعا بہت مفید ہے۔ نفسِ انسان میں رونے کا ردِ عمل سرور ہوتا ہے۔ زیادہ ہنسنے سے نفس میں تکدر اور گھٹن سی پیدا ہو جاتی ہے مگر رونے سے دور ہو جاتی ہے۔ بچوں کو دیکھیں جب کوئی بچہ دیر تک ہنستا رہتا ہے تو اس کی ماں کہتی ہے کہ اب یہ روئے گا۔ چنانچہ وہ غیر ارادی اور لاشعوری طور پر ایسے کام کرنے لگتا ہے جس سے اس کو کوئی روکے۔ دراصل وہ رونے کا بہانہ تلاش کرتا ہے۔ بالآخر رونا شروع کر دیتا ہے اور روتے روتے سو جاتا ہے پھر ہنستا کھیلتا اُٹھتا ہے۔ وہ گھٹن جو زیادہ دیر ہنسنے سے نفس میں پیدا ہوئی تھی اس کو اس طرح رو رو کر دور کر لیتا ہے۔

آلِ رسولؐ کی تمام قربانیوں کا، مصائب و آلام کی زندگی اختیار کرنے کا، قید و بند کے مصائب اٹھانے کا مقصدِ وحید یہ تھا کہ متوسلینِ رسولؐ و آلِ رسولؐ کے قلوب کو درد سے بھر دیں۔

جس سے ان کے دلوں میں وجل پیدا ہو اور دل کے تڑپنے سے ان کے نفوس کی غفلت دور ہو یا کچھ کم ہی ہو جائے جس سے ان کو نورِ ایمان مل جائے اور حبّ اللہ، وجودِ باری کا یقینِ قلبی اور معرفت حاصل ہو۔ اس کا بہترین ذریعہ ذکرِ حسینؑ ہی ہے۔ مگر افسوس کہ سینکڑوں برس مصائب آلِ رسولؐ سنتے گزر گئے۔ ہر سال روتے ہیں، ہر مہینہ روتے ہیں مگر وہ علاماتِ حبّ حقیقی اور ایمانِ حقیقی پیدا نہیں ہوتیں جو رسولؐ و آلِ رسولؐ نے اپنے محبوں، اپنے شیعوں اور صاحبانِ ایمان کی بیان فرمائی ہیں۔ اگر اس کا سبب معلوم کرنا چاہیں تو وہ تجزیہ بکا ہی میں مل سکتا ہے۔

البُکا

نفسِ انسان کے لیے مہیجِ گریہ صرف تین جذبات ہیں۔

ا۔ سرور و وجدان

بہت زیادہ خوشی میں انسان بے اختیار رو دیتا ہے۔ یہ رونا غفلت کم کرنے میں معین ہوتا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ اوّل تو اس کیفیت تک شاذ و نادر ہی کوئی پہنچتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کیفیت کو استقرار نہیں ہوتا۔ بہت تھوڑی دیر ہی میں یہ کیفیت زائل ہو جاتی ہے۔ البتہ جن خوش نصیبوں کو نعمتِ حُبّ اللہ مل جاتی ہے ان پر یہ کیف اکثر طاری رہتا ہے۔

۲۔ جذبۂ ہمدردی

انسان جب کسی کو مصیبت و تکلیف میں دیکھتا ہے یا اس کا حال سنتا ہے تو اس کو اذیت ہوتی ہے بشرطیکہ اس سے نفرت یا عداوت نہ ہو۔ پس جو کیفیت اس کے نفس پر طاری ہو جاتی ہے اسی کو ہمدردی کہتے ہیں۔ پس انسان اپنی اذیت باطنی دفع کرنے کو اس کی ہر ممکن امداد کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر کچھ مدد نہیں کر سکتا تو رو رو کر اپنی اذیت دور کر لیتا ہے۔ جس کے بعد نفس کو بہت سرور حاصل ہوتا ہے۔ اگر مصیبت زدہ سامنے موجود نہ ہو تو اس کی مصیبت کا تذکرہ ہی جذبۂ ہمدردی پیدا کر دیتا ہے گر وہ اثر جو دیکھنے سے ہوتا ہے تذکرہ سننے سے نہیں ہوتا۔ پس اگر جذبۂ ہمدردی کو جوش میں لانا چاہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ تقریر میں یا تحریر میں ان ہی کیفیات کی مرقع کشی کی جائے جو درد و مصیبت، غم و الم میں عام انسانوں پر طاری ہوتی ہیں۔ اسی لئے غم انگیز ڈرامہ میں ایسی ہی کیفیات طاری کر کے دکھلائی جاتی ہیں جو ان حالات میں

عوام الناس پر طاری ہوتی ہیں اور اس کو دیکھ کر لوگ خوب روتے ہیں اور چونکہ ہمدردی میں رونے کا ردِ عمل نفس میں حظ و سرور پیدا کرتا ہے جو نفس کو نہایت مرغوب ہے لہٰذا اس ڈرامے کو بار بار دیکھنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور بہ کثرت افراد ایسے ڈرامے متواتر دیکھتے رہتے ہیں۔ چونکہ نفسِ انسان حظ و سرور کا طالب ہوتا ہے تو وہ زرِ کثیر صرف کر کے غم انگیز ڈرامے دیکھتا ہے۔ غم انگیز و حسرت خیز قصوں کی کتابیں خرید کر مطالعہ کرتا ہے اور روتا ہے اور رو رو کر سرور حاصل کرتا ہے۔

بکاء سے فائدہ کیوں نہیں ہوتا؟

اسی ضمن میں ہماری مجالسِ عزا بھی آتی ہیں کہ خوب رو لینے سے طبیعت بہت ہلکی ہو جاتی ہے جس سے حظ و سرور حاصل ہوتا ہے۔ جن کے بیان سے سامعین کو لطف حاصل ہو ان ہی کو سینکڑوں ہزاروں روپیہ نذر کر کے بلایا جاتا ہے۔ جذبۂ ہمدردی کو جوش میں لانے کے لیے دردناک آواز اور غم انگیز لہجہ کی ضرورت ہوتی ہے جس کی ذاکرین حضرات برسوں مشق کرتے رہتے ہیں۔ نکاتِ لطیفہ، لطائف و ظرائف سننے سے کیف و سرور پیدا ہوتا ہے۔ اور یہی کیفیت اغیار کی ہجو سننے سے بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا جو ذاکرین ان امور میں مہارتِ تامہ رکھتے ہوں وہ ہی کامیاب ذاکر سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی مجالس بڑی کامیاب کہلاتی ہیں۔ سامعین میں سے قریب قریب ہر شخص یہ کہتا سنائی دیتا ہے کہ آج تو مجلس میں بہت لطف آیا۔ یہ لطف اندوزی اور حظ و سرور کی طلب ہی ہے جو مجلس میں کھینچ کر لے جاتی ہے۔ نفسِ امارہ تو حظ و سرور ہی کا طالب ہے۔ پھر جب اس کو لطف اندوزی کی عادت ہو جاتی ہے تو یہ بہ تکرار اور بار بار طلب کرتا ہے۔ نادان عوام ان کو مجالسِ عزا سمجھتے رہتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ہم غم میں روتے ہیں۔ ہمیں محرم میں غم ہوتا ہے حالانکہ اس کا تو غم سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ یہ تو جذبۂ ہمدردی ہے نہ کہ غم۔ غم سے تو نفسِ امارہ بہت بھاگتا ہے اس لیے کہ وہ تو اس کو بہت ناگوار ہے۔ یہ نفسِ امارہ کی خود فریبی ہے کہ اس کو غم سمجھتا رہتا ہے۔

۱۔ درد جو غم اور حسرت والم سے طاری ہوتا ہے

البتہ یہ ایسا جذبہ ہے جو غفلت دور کرنے یا کم کرنے میں ناکام نہیں ہوتا۔ چنانچہ واقعۂ کربلا کے بعد متوسلین آلِ رسولؐ کے قلوب میں حسرت و درد سے جو تڑپ پیدا ہوئی تو بے شمار افراد نجاستِ غفلت و لاشعوری سے پاک ہوگئے۔ ان کو عالمِ نور کا مشاہدہ ہوگیا۔ ایمان بالغیب و نورِ معرفت حاصل ہوگیا۔ جس کو معرفت حاصل ہوتی گئی وہ ہی قربانی دیتا رہا۔ جذبۂ غم چونکہ نفس کو بہت ناگوار ہے لہٰذا اس سے بھاگتا ہے۔ اس کی فطرت ہے کہ غم کو بھلا دینا چاہتا ہے۔ آئمہ علیہم السّلام کے زمانۂ شہود میں بنی فاطمہؑ کی مجالس میں سب سے بڑا مرثیہ اَلاقتل الحسینؑ بکربلا ہی ہوتا تھا۔ یہی فقرہ ان کے لیے جذبۂ غم والم کو برانگیختہ کرنے کو کافی تھا۔ چونکہ امتدادِ زمانہ سے نفسِ انسان غم کو بھلا دیتا ہے لہٰذا بنی فاطمہؑ اور ان کے محبانِ صادق مسلسل قربانیاں دیتے رہے تاکہ غم تازہ رہے۔ بنی فاطمہؑ کے یہاں تو یہ حال تھا کہ محرم کا چاند دیکھتے ہی ہر گھر میں صفِ ماتم بچھ جاتی تھی اور ہر گھر سے نوحہ وزاری کی صدائیں بلند ہوجاتیں وہاں نہ مرثیوں کی ضرورت تھی نہ مرثیہ خوانوں کی حاجت کہ وہ رونے کے لیے کرایہ پر رلانے والوں کو بلائیں۔ اس زمانہ میں البتہ صحیح معنوں میں بکا علیٰ الحسینؑ تھی۔ وہ بین پر نہیں روتے تھے بلکہ حسینؑ پر روتے تھے۔

۲۔ بین پر رونا اور میت پر رونا

ممکن ہے بعض حضرات کو اس پر تعجب ہو کہ یہ بین پر رونا کیا بات ہوئی۔ تو ان کو لازم ہے کہ خود اپنی کیفیتِ نفس پر غور کریں کہ جب اپنے کسی عزیز یا دوست کی وفات پر اس کے یہاں جاتے ہیں تو دل پر کیفِ غم ہوتا ہے۔ روتے ہیں۔ مگر جب شہر میں کہیں رسمِ تعزیت کے لیے جاتے ہیں تو وہ کیف طاری نہیں ہوتا۔ لوگوں سے گفتگو میں مصروف رہتے ہیں۔ البتہ اگر متوفی کا بچہ بین کرتا آجائے "ہائے بابا ہمیں اب بیٹا کون کہے گا"۔ "بابا ہمیں اب پیار

کون کرے گا۔'' تو سب رونے لگتے ہیں۔ یہ رونا میت پر رونا ہوتا ہے یا بَین پر۔ یہ تو ہمدردی کا رونا ہوتا ہے نہ کہ غم کا۔ پس یہ غم والم کی کیفیت بنی فاطمہؑ اور ان کے متوسلین پر اسی زمانہ تک طاری ہوتی رہی جب تک قربانیاں ہوتی رہیں۔ درد والم بھی صفائے باطن کا کام کرتے رہے۔

جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا کیفِ الم بھی کم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ مرثیوں کی اور رُلانے والوں کی ضرورت ہونے لگی اور جب ''خدا بندہ'' بادشاہ ایران نے مذہب شیعہ اختیار کیا اور ایران میں تشیُّع پھیلا تو ان جدید شیعوں کو رُلانے کے لیے اہلِ بیتؑ اطہار پر ایسی ہی کیفیاتِ نفس طاری ہونے کا اظہار کیا گیا جیسی کہ عوام پر حزن والم میں طاری ہوتی ہیں۔ اضطرار و بے چینی کا لاحق ہونا، اضطراب میں عوام کی طرح بین کرنا، رونا، پیٹنا، چلانا، نوحہ وفریاد کرنا وغیرہ یہی عوام کے لیے مہیج گریہ ہوتا تھا۔ ذاکرین کے لیے یہ خود تصنیف کردہ بیانات ابتداءً تو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے چلے آئے۔ پھر کتابوں میں درج ہو گئے۔ چونکہ ہر نفس میں جذبۂ ہمدردی اسی وقت ہیجان میں آتا ہے جب خود اس پر وارد ہونے والی کیفیاتِ نفس کی مرقع کشی کی جائے۔ اسی سے خوب گریہ ہوتا ہے اور بطور فطری ردِّ عمل حظ وسرور حاصل ہوتا ہے لہٰذا اس کے تکرار کی خواہش شدید پیدا ہوتی ہے اور بڑے شوق واشتیاق سے بار بار مجلس میں شریک ہوتا رہتا ہے۔

عوام شیعہ میں یہ سلسلہ جاری ہو گیا اور اسی کو غمِ حسینؑ اور اسی رونے کو حسینؑ پر رونا سمجھ لیا گیا۔ ہمدردی اور غم کے درمیان امتیاز کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس کی تمیز تو وہ شخص ہی کر سکتا ہے جو بحرِ تفکر میں غوطہ لگا کر کیفیاتِ نفسی کا مطالعہ کرے۔ ہمارے افرادِ قوم کو یقین کامل ہے کہ محرم میں ہمیں غم ہوتا ہے اور جب ذاکرین وواعظین کو یہ کہتے سنتے ہیں ''خدا آپ کو کوئی غم نہ دے بجز غمِ حسینؑ'' تو ان کا تخیل اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے کہ واقعی ہم ایامِ عزا میں غمِ حسینؑ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہمدردی اور غم کے فرق کو کون سمجھے اور کیسے سمجھے۔ یہ تو اسی وقت سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جب کسی مادّی نقصان یا کسی عزیز کی وفات پر کسی شخص کے نفس پر کیفِ غم طاری ہو۔ اس

وقت اس سے دریافت کیا جائے کہ محرم کی کسی مجلس میں کبھی آپ کے قلب پر ایسی کیفیت طاری ہوئی ہے جیسی کہ اس زمانے میں طاری ہے۔ اسی وقت وہ اس فرق کو سمجھ سکے گا۔ یہ تخیل کہ محرم میں ہمیں غم ہوتا ہے تمام افرادِ قوم کے ذہن میں ایسا بیٹھا ہوا ہے کہ اس کے خلاف کوئی دلیل سننے کو تیار نہیں ہوتے۔

غم اور ہمدردی کے مابین امتیاز بھائی کی موت پر ہوا

ایک بزرگوار نے ان کیفیات پر مجھ سے بہت دیر تک بحث کی مگر تمام دلائل فطری سن کر بھی یہی کہتے رہے کہ ہمیں محرم میں غم ضرور ہوتا ہے۔ اگر ہمیں غم نہیں ہوتا تو ہم روتے کیوں ہیں۔ میں نے ان کی خدمت میں اور دلائل پیش کیے جن میں سے ایک دلیل یہ تھی کہ کیا آپ دردانگیز ڈراما دیکھ کر یا غم انگیز قصہ پڑھ کر نہیں رو دیتے حالانکہ جانتے ہیں کہ یہ سب فرضی قصے ہیں جن کی حقیقت کچھ نہیں۔ تو کیا آپ کو ان مفروضہ افراد کا غم ستاتا ہے۔ اس کے باوجود ان کے تخیل پر کچھ اثر نہ ہوا اور یہی کہتے رہے کہ ہمیں محرم میں غم ضرور ہوتا ہے۔ سُوءِ اتفاق سے چند ماہ بعد ان کے بھائی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ میں نے تعزیت کا خط لکھا۔ مراسمِ تعزیت کے بعد یہ بھی لکھ دیا کہ میں آپ کو مادرِ حسینؑ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جو کیفیت آپ کے نفس پر اس زمانہ میں طاری ہے کیا تمام عمر میں کبھی ایسی کیفیت محرم کی کسی مجلس میں طاری ہوئی ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ حقیقتاً اب میں سمجھ گیا ہوں کہ جذبۂ غم و ہمدردی کی کیفیات کے درمیان کیا فرق ہے۔ مگر کیا کیا جائے یہ فرق تو بال سے بھی کہیں زیادہ باریک ہے اور اسی لیے اس کا امتیاز کرنا قریب قریب ناممکن ہے۔

ایک مرتبہ اسی بحث کے درمیان میرے ایک عزیز بہت سے دلائل فطری سننے کے بعد کہنے لگے کہ بھائی صاحب کچھ بھی ہو ہم روتے تو حسینؑ پر ہی ہیں۔ میں نے کہا یہ دعویٰ صحیح نہیں یہ تو فریبِ نفس ہے۔ اس کے بعد میں نے ان کی توجہ اس مسئلہ کی طرف سے ہٹانے کو اور کچھ اذکار

شروع کر دیے۔ کچھ شعر و شاعری کا ذکر کرتا رہا۔ پھر میر انیس مرحوم اعلیٰ اللہ مقامہ کے کلام کی تعریف کرنے لگا اور ایک خاص بند کا ذکر کیا کہ حضرت میر انیس مرحوم نے زعفر جن کی جو روایت نظم کی ہے۔ اس میں یہ بند مجھے بہت پسند آیا۔ اس میں کسی ایک لفظ کو بھی جگہ سے ہٹایا نہیں جا سکتا ہے۔ دیکھیے کیسا مرصع بند ہے۔ اب ان کا اشتیاق بڑھا تو کہنے لگے کونسا بند ہے۔ سنائیے تو سہی۔ میں نے کہا کہ لو سنو۔ لکھتے ہیں جب زعفر جن امام مظلوم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو اس طرح عرض کرتا ہے۔ اے مولا!

لشکر لیے میں پہلے نجف کی طرف آیا　　　تھا ابر الم روضۂ پُر نور پہ چھایا
آتی تھی صدا قبر سے ہے ہے مرا جایا　　　فریاد کہ شبیرؑ نے پانی نہیں پایا

بیزار ہیں محبوبِؐ خدا اُمت بد سے
غل تھا کہ علیؑ آج نکلتے ہیں لحد سے

میں نے یہ بند ان کو رزمیہ لہجہ میں سنایا اور ردیف و قوافی کی طرف توجہ دلائی تو اس کی تعریف کرتے رہے۔ پھر میں نے کہا کہ لو اب اسی بند کو پھر سن لو اور اس مرتبہ میں نے غم انگیز لہجہ اور دردناک آواز سے ذرا بلند سُر سے اسی بند کو پڑھا تو بے اختیار ان کے آنسو جاری ہو گئے۔ تب میں نے کہا کہ آپ کا حسینؑ پر رونے کا دعویٰ کیا ہوا۔ کیا پہلے جو میں نے یہی بند سنایا تھا اس وقت اس میں حسینؑ کا ذکر نہ تھا۔ اب جو دردناک لہجہ سے سنایا تو حسینؑ کا ذکر ہو گیا۔ بھلا کہیں دائی سے پیٹ چھپایا جا سکتا ہے۔ میں نے تو رُلانے کا لہجہ اور سُر اُستاد سے سیکھنے پر تین سال صرف کیے ہیں۔ اب تو وہ قائل ہو گئے اور کہنے لگے کہ واقعی غم اور ہمدردی کے درمیان امتیاز کرنا قریب قریب ناممکن ہے۔

امام ضامنؑ کی ضمانت جنت

ایسا ہی ایک اور واقعہ پیش آیا۔ میرے ایک عزیز بزرگ جو عمر میں مجھ سے چھ سات سال

بڑے تھے اسی امر پر مجھ سے بحث کر رہے تھے۔ تمام دلائل سُننے کے بعد کہنے لگے کہ میں نے ایک روایت دیکھی ہے کہ ایک شخص اہلِ مدینہ سے حضرت امام ضامن ثامن علیہ السّلام کی خدمت میں خراسان میں حاضر ہوا حضرت نے اس سے اہلِ مدینہ کا حال پوچھا۔ پھر محلّہ بنی ہاشم کے متعلق دریافت فرمایا۔ اس نے کہا جمعہ و جماعت میں تساہل کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا اور محرم میں کیا حال ہوتا ہے۔ اس نے کہا محرم کی کچھ نہ پوچھئے چاند دیکھتے ہی ہر گھر سے نوحہ و شیون کی ایسی صدائیں بلند ہوتی ہیں گویا یہاں ابھی کسی نوجوان کی موت ہوئی ہے۔ اس پر مولاؑ نے فرمایا تم بھی گواہ رہو کہ ہم ان کے لیے جنت کے ضامن ہیں۔ یہ روایت بیان کر کے فرمانے لگے کہ بس جناب رہنے دیجیے۔ ہمیں غمِ حسینؑ ہی کافی ہے۔

غم میں سرور و لذّت کا احساس کیسے ہو سکتا ہے

بندے نے ان کی خدمت میں عرض کی کہ اس روایت سے جو آپ نے بیان فرمائی کیا یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ رُلانے کے لئے ذاکر و واعظ بلاتے تھے جوان کو بسور بسور کر دردناک لہجہ بنا کر مصائب سُنا کر رلاتے تھے۔ اس روایت سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بغیر کسی رُلانے والے کے روتے تھے اور یہ کیفیت بغیر درد و الم طاری نہیں ہوتی۔ جذبۂ ہمدردی میں رونے سے بطور ردِ عمل حظ و سرور پیدا ہوتا ہے اور یہ نفسِ امارہ اسی کی طلب میں مجالس میں جاتا ہے۔ جو کیفیت نفس کے باطن پر طاری ہوتی ہے۔ وہ ہی بے ارادہ حالتِ لاشعوری میں زبان و قلم سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میر وحید صاحب مرحوم نے لاشعوری میں ایسی کیفیتِ حظ و سرور کا اظہار فرما دیا ہے۔ ان کے ایک مرثیہ کا صرف ایک بند ہی ملاحظہ فرمالیں۔ فرماتے ہیں۔

واحسرتا کہ شاہ کا ماتم ہوا تمام آئی خزاں بہار کا موسم ہوا تمام
جس کی خوشی دلوں کو تھی وہ غم ہوا تمام سر پیٹو مومنو کہ محرم ہوا تمام
آئی اگر اجل تو یہ ماتم یہ غم کہاں

یہ مجلسیں تو حشر تلک ہیں پہ ہم کہاں

ایک اور مثال بھی ملاحظہ فرمالیں۔ حضرت میر انیس مرحوم اعلیٰ اللہ مقامہٗ بھی لاشعوری میں اسی کیفیت حظ و سرور کا اظہار فرما گئے ہیں۔ ان کی یہ رُباعی ملاحظہ ہو۔

کس غم میں یہ لذت ہے جو اس غم میں ہے ۔۔۔ سینہ کو سرور شہ کے ماتم میں ہے
ہر آنکھ یہ کہتی ہے دکھا کر دُرِ اشک ۔۔۔ رونے کا مزا ماہ محرم میں ہے

اگر غم میں لذت ہوا کرتی اور اس سے حظ و سرور حاصل ہوتا تو انسان اپنی اولاد کے مرنے کی دعائیں مانگا کرتا۔ نفسِ انسان چونکہ غافل ہے۔ لہٰذا اس کو خبر تو ہوتی نہیں۔ حقیقت زبان و قلم سے نکل جاتی ہے۔ اگر آپ کو اب بھی اس پر اصرار ہے کہ ہمیں محرم میں غم ہوتا ہے تو میں ایک چشمِ دید واقعہ سُناتا ہوں۔ شاید اس سے آپ کچھ سمجھ سکیں۔

تمثیل مجلسِ تعزیت

ایک رئیس صاحب کا جوان تعلیم یافتہ فرزند جو ایک بڑے سرکاری عہدے پر فائز تھا۔ تمام اہل شہر کی خدمت کرتا تھا، سیکڑوں کو اس سے فیض پہنچتا تھا چند روز بیمار رہ کر فوت ہوگیا۔ شہر کے ہر گھر میں اس کا ماتم تھا۔ مجلسِ سوم میں بعض شعراء اس کے مراثی لکھ کر لائے جن میں اس کی مدح میں کتنے ہی اشعار ایسے نفیس تھے کہ اگر وہ مجلس تعزیت نہ ہوتی تو واہ واہ سبحان اللہ کے نعرے بلند ہو جاتے۔ مگر اس مجلس تعزیت میں اہل میت کا ذکر ہی کیا حاضرین میں کسی اور کے مُنہ سے بھی تحسین و آفرین کا کلمہ نہ نکلا۔ آپ کی یہ کیسی مجالس عزا ہیں اور یہ کیسا غم ہے کہ پُر لطف اشعار یا نکات لطیفہ سُن کر واہ واہ و سبحان اللہ کے نعرے بلند ہو جاتے ہیں۔ میں تو سمجھ نہیں سکتا غم کی یہ کونسی قسم ہے۔

ایک اور واقعہ بھی سُن لیں۔ ایک شخص کا تعلیم یافتہ خوش خلق جوان فرزند ڈاکوؤں کے ہاتھ گرفتار ہوگیا جنھوں نے باپ سے زر کثیر فدیہ طلب کیا جب تاخیر ہوئی تو اس کو طرح طرح کی

ی شدید اذیتیں دینے لگے اور اس کے حال کی ماں باپ کو اطلاع دیتے رہے۔ اس رقم کا جلد انتظام نہ ہو سکا کہ وہ مصائب و اذیتیں اُٹھاتے ہوئے فوت ہو گیا۔ اس کے چند سال بعد متوفی کا ایک دوست آیا اور بعد تعزیت اس کی خوش خلقی، ایثار و خدمت خلق کے واقعات سُنانے لگا۔ جن کو سن کر باپ کے اور دیگر اعزہ کے آنسو جاری ہو گئے۔ یہ ہے غم اور محبت کی فطری علامت۔

آپ تو فضائل اہلِ بیتؑ سُن کر مسرور ہوتے ہیں اور وجد کرتے ہیں۔ اب تو یہ کیفیات ایسی واضح ہو گئیں کہ جس کے پاس سننے والے کان، دیکھنے والی آنکھیں اور سمجھنے والا دل ہو گا اور اس کے لاشعور میں عداوت اہلِ بیتؑ راسخ نہ ہو گی وہ تو سمجھ جائے گا کہ ہم اور ہماری قوم کے بیشتر افراد فریب نفس میں مبتلا ہیں۔ اس سے نجات کی راہ تلاش کرنا ضروری ہے۔

مقصدِ ذبحِ عظیم

اہلِ بیتؑ نے تو قربانیاں اس لیے دی تھیں کہ ہمارے نفس غفلت و لاشعوری کی نجاست سے پاک ہو جائیں۔ یہ تو انجیل میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ "پھر میں نے پہاڑ پر ایک ایسی جماعت کو دیکھا جن کے جامے سفید تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے جامے برّے کے خون سے دھو کر سفید کیے ہیں۔ وہ برّہ جو بنائے عالم کے وقت سے ذبح ہوا۔" پھر چند سطور بعد سفید جامے کی شرح بھی بیان کر دی ہے کہ "سفید جامے سے راستبازی کے کام مراد ہیں۔" انجیل بھی شہادت دے رہی ہے کہ برّے کا خون نفس کے جامۂ باطنی کا میل دھونے کے لیے ہے۔ (مکاشفات یوحنا)۔

اب یہ امر تو مہر نیمروز کی طرح آشکار ہو گیا کہ ذبحِ عظیم کا مقصد تزکیہ نفوسِ خلق ہے یعنی ہمارے نفوس کو غفلت و لاشعوری کی نجاست سے پاک کرنا ہے تاکہ ہم شرکِ ہوئی پرستی سے نکل سکیں اور وجودِ باری کا یقینِ قلبی حاصل کر سکیں۔ مگر افسوس ہے ہماری بدنصیبی پر کہ ہم نے حُسینؑ مظلوم کے ذکر کو حصولِ درد کا ذریعہ بنانے کے بجائے حظ و سرور کے حصول کا ذریعہ بنا لیا۔

یہ مجالس جو نعمتِ غیر مترقبہ اور نورِ معرفت کے حصول کا ذریعہ تھیں، ہم نے ان کو بے سود بنا لیا۔ جو کرامات و معجزات دورانِ عزاداری ظاہر ہوتے رہتے ہیں ان سے ہمارے ذہنوں میں یہ خیال راسخ ہو گیا کہ ہم حق پر ہیں۔ ہمارا مذہب ہی حق ہے اور یہی اہلِ بیتؑ کا مذہب اور ان کا تعلیم کردہ ہے۔ حالانکہ ظہورِ معجزات تو حسینؑ کی حقانیت و عظمت و جلالت کا ثبوت ہے نہ کہ ہماری حقانیت کا۔ اس لیے کہ غیر شیعہ افراد مثلاً ہندو، سکھ، حنفی، شافعی وغیرہ میں سے جو بھی عزائے حسینؑ برپا کرتے ہیں ان کے لیے بھی معجزات و کرامات کا ظہور ہوتا ہے بلکہ ہماری نسبت ان کے یہاں کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔ پس اگر حقانیتِ مذہب کی یہی دلیل ہو تو ان کا مذہب زیادہ سچا ہوا جاتا ہے۔ ہمارے ذہنوں میں یہ تخیل قائم ہو گیا کہ حسینؑ ہمارا ہے۔ اہلِ بیتؑ ہمارے ہیں۔ غیروں کا ان سے کیا تعلق حالانکہ وہ تو نورِ ایزدی ہیں۔ جو ربّ العالمین ہے۔ ان کا فیض تو عام ہے۔ ان کو تو جو بھی خلوص سے پکارے وہ اسی کے ہیں ہم رحمتِ ایزدی کے ٹھیکہ دار بن گئے۔ ہم نے دروازۂ رحمت کو گھیر لیا۔ نہ اس نور سے خود فیضیاب ہوئے اور نہ دوسروں کو اس سے مستفیض ہونے دیا۔ افسوس کہ ہم نے اپنی نفس پرستی اور شیطان دوستی سے مجالسِ مقدسہ حسینیہ میں شیطان کو شریک کر لیا۔

۱۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا۔ "میرے احباب میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، زیادہ فقیہ ہے اور ہماری حدیث کا سب سے زیادہ چھپانے والا ہے اور میرے نزدیک سب سے زیادہ بدحال اور سب سے زیادہ دشمن وہ ہے جو ہماری حدیث سنے اور ہماری طرف نسبت دے پھر اس کو قبول نہ کرے اور ترش رُو ہو اور انکار کرے"۔۔۔۔۔ (تا آخر حدیث)۔

(الشافی جلد: ۲۔ صفحہ: ۲۳۵ سطر: ۶)

احادیث مذکورہ بالا اور ان کی امثال سن کر جو ان کو قبول نہ کرے بلکہ ترش رُو ہو اس کو امامؑ

بدترین دشمنِ اہلِ بیتؑ بتلا رہے ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا یَااُولِی الْاَبْصَار

۲۔ از حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام ۔ ''ہمارے امرِ امامت کو اختیار کرنے کے یہ معنی نہیں کہ اس کی تصدیق کی جائے اور فقط قبول کر لیا جائے بلکہ چاہیے کہ نااہلوں سے ہمارے معاملہ کو پوشیدہ رکھا جائے اور ہماری احادیث ان سے بیان نہ کی جائیں۔۔۔ تم ان سے وہ باتیں بیان کرو جس کے شواہد وہ قرآن سے جانتے ہوں اور جو نہیں جانتے وہ ان سے پوشیدہ رکھو۔ خدا کی قسم اس ناصبی سے جو ہم سے شدید عداوت رکھتا ہے ہمیں زیادہ نقصان اس کی دوستی سے پہنچتا ہے جو ہمارے راز ہمارے دشمن سے بیان کرتا ہے''۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (تا آخر حدیث)۔

(الشافی جلد: ۲۔ صفحہ : ۲۴۴)

علومِ فطرت کے خزانے ہماری کتابوں میں دفن ہیں اور ہم احکامِ اہلِ بیتؑ سے بغاوت کر کے نفس و شیطان کی بندگی میں مصروف ہیں۔

ایک رازِ فطرت تو یہ ہے کہ نفس کی اور تخیل کی اصلاح تو درد سے ہوتی ہے۔ ہمارے قلوب کو درد دینے کے لیے ہی آلِ رسولؐ نے مظلومیت کی زندگی اختیار کی اور اسی لیے قربانیاں دیتے رہے۔ مگر ہم نے ان کی قربانیوں کے اثرات کو زائل کر دیا اور ہم اسی میں مصروف رہتے ہیں۔

عمل سے بلانے کا حکم

دوسرا راز یہ ہے کہ یہ اصولِ فطرت ہے کہ ہر شخص کو اپنا تخیل جو اس کے ذہن نشین ہو بہت محبوب ہوتا ہے۔ اگر اسی کے ذریعہ سے اس کو حق کی طرف رغبت دلائی جائے تو شوق سے قبول کرے گا۔ مگر ہم خود تعلیمِ اہلِ بیتؑ کو اپنے قیاس کے مطابق ڈھال کر اپنے ظنی تخیل کو دوسروں پر ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ تعلیمِ اہلِ بیتؑ تو وہ مقدس نور ہے جس کے قبول کرنے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مگر ہمیں تو خود ہی اس کی خبر نہیں۔ آئمہ علیہم السّلام کی کتنی ہی احادیث میں تاکید

کی گئی ہے کہ تم دوسروں کو اپنے عمل سے دعوت دو نہ کہ صرف زبان سے۔ ایک حدیث مندرجہ ذیل ہی ملاحظہ کریں:۔

حضرت ابوعبداللہ علیہ السّلام نے فرمایا۔ "تم لوگوں کو دین کو طرف اپنے عمل سے بلاؤ نہ کہ اپنی زبانوں سے۔"۔۔۔(تا آخر حدیث)۔۔۔(الشافی جلد:۲۔ صفحہ: ۹۸ سطر: ۲۵)۔

حسینؑ مظلوم کی مجالس عزا جو فوائد عظیم کے حصول کا ذریعہ تھیں ہم نے ان کو نقصان دہ بنا لیا۔ وہ تو حسینؑ مظلوم کے قاتلانِ حقیقی (ہوا و ہوس) کی بندگی اور پرستش سے نکال کر لاالہ تک پہنچانے کا ذریعہ تھیں۔ اسی راز کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی رباعی میں ظاہر فرما دیا ہے۔

"حقا کہ بنائے لاالہ است حسینؑ"

اور علامہ اقبال مرحوم اعلیٰ مقامہ بھی لکھ گئے ہیں۔

بہرِ حق درخاک وخوں غلطیدہ است   پس بنائے لاالہ گردیدہ است

حسینؑ بنائے لاالہٰ

یعنی حسینؑ مظلوم نے حق کے لیے خاک وخون میں لوٹ کر دلوں کو درد دینے اور تڑپانے کا ایسا سامان مہیا کر دیا ہے جس کے ذریعہ سے ہم ہوائے نفس کی بندگی سے چھٹکارا پا سکیں جس کو حسب فرمان امیر المومنینؑ اہلِ عالم نے سب سے بڑا معبود بنایا ہوا ہے۔ اس طرح حسینؑ ہی ان معبودان کاذب کی پرستش سے بچانے کا ذریعہ ہوگیا اور وہ ہی لاالہٰ کی بنیاد بن گیا کہ ہوئی وہوس جیسے معبودوں کو فنا کرنے والا ہوگیا۔

میں آپ کو حسینؑ مظلوم کے خون کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کیا آپ کے علماء دین میں سے کسی نے بھی ذبح عظیم کے اس مقصدِ حقیقی کا کسی کتاب میں اظہار فرمایا ہے۔ کیا آپ نے اپنے علماء کرام وواعظین عظام میں سے کسی کے بیانات میں کسی مجلس میں اس کا ذکر سنا ہے۔ اگر اس

کا جواب نفی میں ہے تو اس قوم وافراد قوم کی نادانی پر وائے ہو جو ایسے لوگوں کو جو اسلام کے پہلے کلمہ لا الہ الا اللہ کا مفہوم حقیقی بھی نہیں جانتے علماء دین اور ناشرانِ علوم اہلِ بیتؑ طاہرین علیہم السلام سمجھتے ہیں اور ان کو نائب امام مانتے ہیں۔ افسوس صد ہزار افسوس۔

کتنی شرم وغیرت کا مقام ہے کہ جن کا شمار اغیار میں کیا جائے وہ تو ذبح عظیم کے مقصد کا بالاعلان اظہار کریں اور یگانوں کا یہ حال ہو کہ وہ قیاسی راگ الاپ رہے ہوں۔ چنانچہ حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ اعتقادیہ نشر کردہ مکتبہ امامیہ لاہور کے صفحہ: ۴۴، سطر: ۶ پر رقمطراز ہیں۔

"اور ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا کو ہمیشہ سے علم تھا کہ امامِ حسین ظلم سے شہید کیے جائیں گے اور اس شہادت سے ان جناب کو سعادتِ دائمی ملے گی اور قاتل ان کا ہمیشہ بدبختی (عذاب) میں مبتلا رہے گا اور ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خدا نے جو چاہا وہ ہوا اور جو اسے منظور نہ تھا نہ ہوا۔"

سبحان اللہ یہ ہیں بنیادی عقائد مذہب شیعہ کہ امام حسینؑ سعادتِ دائمی حاصل کرنے کو شہید ہوئے اور باقی تمام آئمہ اس سعادتِ دائمی سے محروم رہ گئے اور آنحضرت کا قتل اللہ کو منظور تھا۔ پس جو خدا نے چاہا وہ ہو گیا۔ اس نے چاہا کہ حسینؑ قتل ہوں۔ پس قتل ہو گئے۔

اب فریاد وزاری منشاء الٰہی کے خلاف ہے۔ واہ واہ۔ خدا اس قوم کو ہدایت کرے اور تعلیمِ اہلِ بیتؑ کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

قرآن وحدیث میں محکم ومتشابہ

جنابِ ربّ العزت نے تو واضح طور پر فرما دیا ہے کہ تمام قرآن سوائے بعض آیات 'متشابہ' ہے اور متشابہ کے پیچھے وہ لوگ پڑتے ہیں جن کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں یعنی جو گمراہ ہیں اور آئمہ علیہم السّلام نے بتلا دیا ہے کہ جس طرح خدا کے کلام میں محکم ومتشابہ ہیں اسی طرح ہمارے کلام میں بھی ہیں۔

ممانعت پیروی متشابہ

تم متشابہ کی پیروی سے باز رہو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ مثلاً حضرت علامہ محمد حسین صاحب نے اپنی کتاب احسن الفوائد فی شرح عقائد" میں صفحہ: ۵۰۴ پر یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ ان فی حدیثنا محکم کمحکم القران ومتشابه کمتشابه القران ہ (ہماری احادیث میں محکم ہیں قرآن کے محکم کی طرح اور متشابہ ہیں قرآن کے متشابہ کی طرح) اور یہ بھی بتلا دیا۔ انا معشر الا نبیاء امرنا ان تکلم الناس علیٰ قدر عقو لهم (اعتقادیہ شیخ صدوق) (یعنی ہم گروہِ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے ان کے اندازۂ عقل کے مطابق کلام کریں) اور یہ بھی فرمایا ہے کہ "ہمارا دین ہی تقیہ ہے۔ ہمارے آباء کا دین تقیہ ہے اور جس کے لیے تقیہ نہیں وہ بے دین ہے۔" (اُصول کافی وجامع اخبار) اور یہ بھی بتلا دیا کہ "نوے حصہ دین تقیہ میں ہے" (اُصول کافی) ان تمام احادیث کے علاوہ یہ حدیث بھی ہمارے سامنے ہے۔ "جس نے قیاس پر عمل کیا وہ خود بھی ہلاک ہوا اور دوسرے کو بھی ہلاک کیا اور جس نے ایسی حالت میں فتویٰ دیا کہ نہ ناسخ کو منسوخ سے تمیز کر سکتا ہے نہ محکم کو متشابہ سے تو وہ خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا۔" (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد: ۱۔ صفحہ: ۴۱)

روایات پر عقائد کی بناء رکھنے سے نقصانات

حسینؑ غریب کا نام لینے والو تمہیں حسینؑ مظلوم کے خون کی قسم بتلاؤ کہ جو علماء اسلام کے پہلے کلمہ لا إلٰہ الا اللہ کا مفہوم بھی نہ جانتے ہوں وہ محکم آیات واحادیث کو متشابہ آیات ومتشابہ احادیث سے کیسے تمیز کر سکتے ہیں۔ وہ کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ انبیاء یا آئمہ کی زندگی کا یہ فعل محکم ہے یا متشابہ۔ وہ کیسے پہچان سکتے ہیں کہ آئمہ علیہم السّلام کا کوئی قول یا فعل متشابہ یا مبنی بر تقیہ ہے یا محکم اور مبنی بر حقیقت۔ بھلا سوچیئے جب وہ مخاطب سے اس کے اندازۂ عقل کے مطابق کلام کرتے

ہیں تو اسی کی سمجھ اور اسی کے عقیدۂ ذہنی کے مطابق کلام کر کے اس کو راہ راست پر لانے کی کوشش فرمائیں گے۔ پھر وہ کلام ہمارے لیے یا سب کے لیے حجت کیسے ہو سکتا ہے۔ اس مختصر رسالہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ اس کی چند تمثیلیں لکھ کر وضاحت کر سکوں۔ ہمارے علماء کا علم تو روایات تک محدود ہے۔ کہ گھر سے آیا ہے معتبر نائی خبر دیتا ہے کہ آپ کی اہلیہ بیوہ ہو گئیں۔ راوی معتبر ہے پھر اس کی تکذیب کیسے کر سکتے ہیں۔ اسی بناء پر ہمارے علماء کرام نے روایات پر ایمان لا کر انبیاء کو معاذ اللہ خاطی سمجھ لیا۔ گو کہ یہ کہتے ہیں کہ خطا نہ کہو ترکِ اولیٰ کہہ لو۔ اللہ تعالیٰ کو ایسا مجبور و لاچار سمجھ لیا کہ لوگوں نے اس کے ہاتھ سے خلافت چھین کر اس کے دین کو برباد کر دیا اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کو بچانے کے لیے کوئی تدبیر نہ کر سکے۔ آلِ رسولؐ کو جن کے غلاموں کے کفش برداروں کے مقابل کفار کی فوجیں عاجز آ جاتی تھیں ایسا مجبور و لاچار سمجھ لیا کہ ظالم بادشاہوں کے خوف سے گھروں میں چھپے بیٹھے رہتے تھے۔ قتل کے خوف سے یہ بھی نہ کہہ سکتے تھے کہ میں امام ہوں۔ ظالم بادشاہوں نے انہیں تبلیغ و اشاعتِ دین کا موقع ہی نہیں دیا۔ وہ بیچارے تو عمر بھر قید و بند کے مصائب ہی جھیلتے رہے۔ عمریں قید خانوں میں گزار دیں۔ افسوس۔

زمانہ غیبت میں کس کا اتباع کرنا چاہیے

آئمہ علیہم السّلام نے تو ہدایت خلق میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔ امام حسن عسکری علیہ السّلام سے کسی نے دریافت کیا کہ زمانہ غیبت میں ہم کس کا اتباع کریں تو حضرتؑ نے فرمایا۔ اِتبعُوا الَّذِیْ غَلَبَ عَلیٰ هَوَاهُ وَ یَعْلَمُ احکام الله۔ (تم اس شخص کا اتباع کرنا جو اپنی ہوائے نفس پر غالب آ گیا ہو اور احکامِ خدا جانتا ہو) بڑی حیرت ہوتی ہے اور سخت افسوس ہوتا ہے اس قوم و افرادِ قوم کی غفلت و بے حسی اور نادانی پر جو اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ کتابیں پڑھ لینے سے ہوائے نفس پر غلبہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے اس کا ذریعہ تو محض یہ ہے کہ سنت رسولؐ و آلِ رسولؑ کی پیروی کی جائے۔ فاقے کرنا، پیٹ پر پتھر باندھنا، جو کی روٹی یا ستو کھانا، لذاتِ دنیا کا

ترک۔ ان ہی سے جذبات میں سکون پیدا ہوتا ہے۔ ذکرِ اللہ بہ کثرت کرنا۔ توجہ الی اللہ میں وقت گزارنا۔ یہ امور ہی تو سنتِ رسولؐ و آلِ رسولؐ ہیں۔ ان ہی سے شرکِ باطنی نکلتا ہے۔ ان ہی سے محکم و متشابہ میں تمیز کرنے کی اہلیت پیدا ہوتی ہے۔ ان ہی سے احادیث و اعمال مبنی بر تقیہ اور مبنی بر حقیقت کو جاننے کے قابل ہوتا ہے۔ بھلا حلوہ پراٹھا، مرغ پلاؤ اور لذیذ و مرغن پُر تکلف غذائیں کھانے والے کو غلبہ علی الھویٰ کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ تو غفلت و لاشعوری کو بڑھانے والی اور نفس پرستی میں اضافہ کرنے کا باعث ہوتی ہیں۔ ان غذاؤں سے تو خواہشات و جذبات کا جوش اور بڑھتا ہے۔ ایسے اشخاص کو لذت و حلاوتِ ایمان کبھی نصیب نہیں ہوتی۔

غذائے دنیا سے بے پروائی

جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کا فرمان ہے۔ فرمایا حضرت ابو عبداللہؑ نے خیر سب ایک گھر میں ہے جس کی کنجی زہد فی الدنیا ہے۔ پھر فرمایا رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص ایمان کی حلاوت اپنے قلب میں نہ پائے گا جب تک غذائے دنیا سے بے پروا نہ ہو اور حضرت ابو عبداللہؑ نے فرمایا جب تک دنیا سے بے رغبت نہ ہوں دلوں پر حرام ہے کہ وہ حلاوتِ ایمان کو پائیں۔ (الشافی ترجمہ اصولِ کافی جلد: ۲۔ صفحہ: ۱۴۶ سطر: ۱)

کتابیں پڑھ کر عالمِ دین بن جانے والے سنتِ رسولؐ و آلِ رسولؐ پر عمل کر کے غلبہ علی الھویٰ حاصل کرنے کی کوشش تو کرتے نہیں مگر مسائلِ طہارتِ ظاہری اور ظاہری نماز روزے کی پابندی کرنے لگتے ہیں۔ اگر وہ ایسا بھی نہ کریں تو عوام پر ان کے تقدس کا رعب کیسے طاری ہو۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اپنے تقدس و عبادت کا لوگوں پر تقریر و تحریر میں اظہار بھی کرنے لگتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنے کے لیے بھی ہدایات موجود ہیں۔ مثلاً

"فرمایا ابو عبداللہ علیہ السّلام نے دھوکا نہ کھاؤ لوگوں کے نماز و روزے سے کیونکہ انسان نماز روزے کا بعض اوقات ایسا حریص ہو جاتا ہے کہ اس کے ترک سے اسے وحشت ہوتی ہے بلکہ

اسے آزماؤ قول کی صداقت اور ادائے امانت میں۔" (الشافی جلد: ۲۔ صفحہ: ۱۴۳۔ سطر: ۶)

افسوس ہے ہماری حالت پر کہ ہم احکام اہلِ بیت سے بغاوت کرتے ہوئے ان کی تعلیم کے خلاف عمل کرتے ہوئے زعمِ باطل میں شیعۂ اہلِ بیت اور پیروانِ آلِ رسولؑ ہونے کے مدعی بنے ہوئے ہیں۔ خدا ہمارے حال پر رحم فرمائے اور احکامِ اہلِ بیت کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مجالسِ مروّجہ کے کچھ نقصانات اور فوائد

افسوس کہ حسینِ مظلوم کی مجالسِ عزا جو منزلِ رحمت ایزدی اور خدا تک پہنچانے کا وسیلہ تھیں فائدے کے ساتھ کچھ نقصان کا باعث بھی ہو گئیں۔ علمائے کرام و واعظین عظام جب ممبروں پر متشابہ آیات اور متشابہ احادیث کی قیاسی تفسیریں اور تشریحیں بیان فرماتے ہیں تو سامعین کو یقین ہو جاتا ہے کہ بے شک و شبہ ان آیات کا یہی مفہوم ہے اور جب احادیث مبنی بر تقیہ اور انبیاء و آئمہ علیہم السّلام کے حالاتِ زندگی مبنی پر تقیہ کو حقیقت سمجھ کر اور ظاہر کر کے لوگوں کو سناتے ہیں تو بے چارے نادان سامعین بھی ان کو مبنی بر حقیقت سمجھ لیتے ہیں جس سے حسب فرمان رسولِ کریم ہلاکت میں پڑتے ہیں اور حق سے دور ہو جاتے ہیں اور نکاتِ لطیفہ، خطابت اغیار کی ہجو مخالفین پر اشاروں، کنایوں میں طعنہ زنی سُن کر حظِ نفس حاصل کرتے ہیں جس سے نفس کی غفلت کچھ زیادہ ہوتی ہے اور لاشعوری بڑھتی جاتی ہے۔ نفس کی اصلاح کے بجائے کچھ تخریب ہی ہوتی ہے۔ اس طرح مقصدِ ذبحِ عظیم کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ ان مجالس سے البتہ اتنا فائدہ تو ضرور ہوتا ہے کہ آئمہ علیہم السّلام کے اسماء مقدسہ کی آواز کانوں میں پڑ جاتی ہے۔ بس اسی سے برکت اور ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ بھی ان کو جو اس نیت سے مجلس میں شرکت کریں ان کو مادرِ حسینؑ کی خوشنودی حاصل ہو جاتی ہے۔

رسولؐ و آلِ رسولؑ نے تو ہدایت میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔ انہوں نے تو علماء کے صفات و

علامات واضح طور پر بیان فرمادیے ہیں۔ مگر وہ احادیث تو اسی شخص کو نظر آئیں گی جس کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہوں گی اور وہی سمجھ سکے گا جس کے پاس سمجھنے والا دل ہوگا۔ دیکھیں احادیث مندرجہ ذیل:۔

۱۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جس نے علم حدیث حاصل کر کے نفع دنیا کا ارادہ کیا آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

(الشافی ترجمہ اصول کافی جلد: ۱۔ صفحہ: ۴۵ سطر: ۱)

۲۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جس نے علمِ حدیث حاصل کر کے نفع دنیا چاہا آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

(الشافی ترجمہ اصول کافی جلد: ۱۔ صفحہ: ۴۵ سطر: ۶)

۳۔ فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے۔ جب تم کسی عالم کو امور دنیا میں منہمک پاؤ تو امور دین میں اس پر اعتماد نہ کرو۔ ہر محب کو وہی ملتا ہے جسے وہ دوست رکھتا ہے۔ (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد: ۱۔ صفحہ: ۴۵ سطر: ۸)

ظہور پر علماء کی حضرتؑ کی مخالفت کرنا

۴۔ امام علیہ السلام نے فرمایا۔ "خدا نے وحی کی داؤد علیہ السلام کی طرف کہ میرے اور اپنے درمیان ایسے عالم کو قرار نہ دو جو دنیا کا عاشق ہو کیونکہ وہ تم کو میری محبت کے راستے سے روک دے گا۔ یہ لوگ میرے خالص بندوں کے لیے رہزن ہیں"۔ (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد: ۱ صفحہ: ۴۵ سطر: ۱۰)

۵۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ "جس نے علم کو اس لیے حاصل کیا کہ وہ علماء کی مجلس میں فخر کرے اور جاہلوں کی مجلس میں بحث کرے یا اس غرض سے کہ لوگ انکی طرف توجہ کریں تو ایسے شخص کا ٹھکانہ جہنم ہے"۔ (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد: ۱ صفحہ: ۴۵ سطر: ۲۲)

۶۔ از امام محمد باقر علیہ السلام ۔ '' اصلی فقیہ وہ ہے جو تارک الدنیا ہو۔ آخرت کی طرف راغب ہو اور سنت نبیؐ سے متمسک ہو۔'' (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد:۱۔ صفحہ: ۷۶، سطر: ۶) ۔ سنت نبیؐ سے متمسک ہونے کا مطلب کون نہیں جانتا ، سادی غذا اور جو کھانا ، فاقے کرنا ، پیٹ پر پتھر باندھنا۔ وغیرہ۔

۷۔ فرمایا امیر المومنین علیہ السلام نے۔'' آگاہ ہو میں تمھیں بتاتا ہوں کہ سچا عالم دین کون ہے۔ وہ ہے جو مایوس نہ کرے لوگوں کو اللہ کی رحمت سے اور نہ بے خوف بنائے ان کو عذاب خدا سے''۔ (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد:۱۔ صفحہ:۳۴ سطر:۹)

۸۔ حضرت ابوعبداللہ نے فرمایا۔ '' جب تک دنیا سے بے رغبت نہ ہوں دلوں پر حرام ہے کہ وہ حلاوت ایمان کو پائیں''۔

(الشافی ترجمہ اصول کافی جلد: ۲۔ صفحہ: ۱۳۶ سطر:۱۶۔۱۸)۔

۹۔ کتاب اظہار حقیقت رد کتاب شہید انسانیت مطبوعہ لکھنؤ صفحہ: ۱۷۵ پر ایک طویل حدیث درج ہے۔ اس میں یہ بھی ہے۔'' جب امام مہدیؑ ظہور فرمائیں گے تو آپ کا صریحی دشمن سوائے فقہاء کے خاص کر کوئی دوسرا نہ ہوگا''۔

۱۰۔ کتاب مذکورالصدر صفحہ: ۱۷۶۔ حضرت کوفے کی جانب کوچ فرمائیں گے۔ وہاں سے سولہ ہزار ہتھیار بند مقابلے کے لیے نکلیں گے۔ یہ لوگ تلاوت کنندگان قرآن اور فقہائے دین ہوں گے جو چہروں سے بڑے عبادت گزار و مقدس معلوم ہوں گے لیکن نفاق کی وجہ سے اندھے ہوں گے۔ یہ سب لوگ کہیں گے '' فرزند فاطمہؑ پلٹ جاؤ ہم کو آپ کی ضرورت نہیں''۔ پس دوشنبہ کے دن عصر سے عشاء تک پشت نجف پر حضرتؑ ان لوگوں سے مقابلہ فرمائیں گے اور سب

کے سب قتل کر دیے جائیں گے۔ ایک بھی نہ بچے گا اور حضرتؑ کے اصحاب میں سب محفوظ رہیں گے۔ (از دلائل امامت باب معرفت وجوب قائم)۔ مذکورہ بالا حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت حجت علیہ السّلام کو ''یا بن فاطمہ'' (اے فرزندِ فاطمہؑ) کہنے والے علماء شیعہ ہی ہو سکتے ہیں ان کا غیر ایسا کہہ ہی نہیں سکتا۔

حسینؑ مظلوم کا نام لینے والو! عزائے حسینؑ برپا کرنے والو! تمہیں خونِ حسینؑ کی قسم ہے بتلاؤ کیا یہ علماء علمِ دین اسی لیے حاصل نہیں کرتے کہ اس کو ذریعۂ معاش بنائیں۔ کیا یہ اس سے نفعِ دنیا نہیں چاہتے۔ کیا یہ امورِ دنیا میں منہمک اور اس کی زینت کے طالب نہیں ہیں۔ کیا یہ دنیا کے عاشق نہیں ہیں۔ کیا یہ علمِ دین اسی لیے حاصل نہیں کرتے کہ علماء کی مجلس میں فخر کریں، جاہلوں کی مجلس میں بحث کریں۔ کیا ان کی یہ خواہش نہیں کہ لوگ ان کی طرف توجہ کریں۔ کیا یہ تارک الدنیا ہیں؟ کیا یہ سنّتِ نبوی سے متمسک ہیں۔ کیا یہ پیروئ رسولؐ میں سادی غذا اور جو کھاتے ہیں؟ کیا یہ لوگوں کو پروانہائے جنت تقسیم کر کے ان کو عذاب خدا سے بے خوف کرنے سے ذرا سا بھی پرہیز کرتے ہیں؟ کیا یہ غلبہ علی الھویٰ حاصل کرنے کے خواہاں ہیں؟ پس اگر یہ ایسے نہیں ہیں اور ان میں وہ صفات موجود نہیں جو رسولؐ وآلِ رسولؐ نے عالمِ دین یا مومن کی بتلائی ہیں تو یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے جو لوگ ان کی پرستش میں مصروف ہوں انکے قول کو خدا کا قول یا رسولؐ وآلِ رسولؐ کا قول سمجھیں ان کو جناب ربّ العزت مشرک قرار دیتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ترجمہ:۔ (التوبہ:۔ آیت: ۳۱)

بے شک انہوں نے اپنے علماء اور فقراء کو خدا کے سوائے رب قرار دے لیا۔ یا۔ بنالیا۔

ان احادیث کو اور اس آیت کو دیکھنے کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ جس میں رسولؐ و آلِ رسولؐ کی بتلائی ہوئی صفات موجود نہ ہوں اس کو اہلِ بیت کے دین کا عالم سمجھنا شرک ظاہری اور شرک جلی ہے۔ افسوس ہم گمراہی کے کیسے تاریک غار میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگر اب بھی تعلیمِ اہلِ بیت کی طرف رجوع نہ ہوئے اور احادیثِ رسولؐ و آلِ رسولؐ و فرمودات معصومین علیہم السلام خود دیکھنے اور سمجھنے کی طرف توجہ نہ کی اور ان علماء کی اندھی تقلید میں مصروف رہے تو ایک خطرۂ عظیم درپیش ہوگا جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔ ارشادِ باری ہے۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ○

ترجمہ:۔ (مقبول احمد)۔ (انشقاق:۔ آیت۔ ۱۹)

تم ضرور منزل بمنزل (پہلوں کے راستے پر) چلو گے۔

اس آیت کے حاشیہ پر ایک طویل حدیث منقول ہے جس کے منجملہ ایک جز یہ ہے۔

"جو لوگ تم سے پہلے تھے ان کے راستے پر ضرور چلو گے اور یہ مشابہت ایسی ٹھیک اترے گی جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے سے مشابہ ہوتا ہے اور تیر کا ایک پہلو دوسرے پہلو سے مشابہ ہوتا ہے تم ان کے راستہ پر چلنے میں ذرا سی بھی کمی نہ کرو گے نہ گز بھر نہ بالشت بھر یہاں تک کہ اگر تم سے پہلے والے کسی گوہ کے بھٹ میں جا گھسے ہوں گے تو تم بھی اس میں ضرور جاؤ گے۔"

.......(تا آخر)

نیز اعتقادیہ شیخ صدوق نشر کردہ مکتبہ امامیہ لاہور کے باب اعتقاد فی الرجعت میں صفحہ: ۱۱۰۔۱۱۱ پر یہ حدیث مندرج ہے۔ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے جو واقعے گزشتہ امتوں میں ہوئے ہیں وہ بالکل میری امت میں بھی ہوں گے۔ جیسے ایک نعل (جوتا) دوسرے نعل کے اور ایک تیر کا پر دوسرے تیر کے پر کے مطابق ہوتا ہے۔"

پہلی امتوں کی طرح اس اُمت میں بھی انتظار کرنے والے دشمن ہونگے

ان احادیث کو دیکھنے کے بعد وہ لوگ جو رسولؐ و آئمہ کو راست گو نہیں جانتے ضرور اطمینان سے بیٹھے رہیں گے اور ان کو کوئی فکر لاحق نہ ہوگی۔ مگر جو خدا و رسولؐ کو صادق القول جانتے ہیں ان کو تو ضرور فکر ہوگی اور سوچیں گے کہ ہمارے علماء کرام یہ احادیث معاملات و مباحث خلافت میں تو منبروں پر بیان کرتے رہتے ہیں اور بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور اس سے رجعت کا بھی ثبوت دیتے ہیں کہ جیسے پہلی امتوں میں رجعت ہوئی ہے اسی طرح اس اُمت میں بھی ہونی لازمی ہے کہ بنی اسرائیل کے ستر ہزار آدمی طاعون کے خوف سے شہر سے نکل گئے اور صحرا میں جا کر سب مر گئے پھر حضرت عزیر یا حضرت ارمیا نبی کی دعا سے زندہ ہوگئے جس کا ذکر کلام پاک کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ ---- الخ (پ ۲ ع ۱۶) مگر اس سے زائد ہمارے علماء و عوام کچھ سوچتے ہی نہیں۔ کیا امم سابقہ میں تکذیب و قتل انبیاء کے واقعات نہیں ہوتے رہے۔ امم سابقہ میں یہ ہوتا چلا آیا ہے کہ جو لوگ کسی آنے والے کے منتظر رہے تھے اس کے آنے پر دشمن ہوگئے چنانچہ یہود مسیح اور فارقلیط کے منتظر تھے مگر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوئے تو ان کے قتل کے درپے ہوگئے اور اپنے زعم باطل میں ان کو سولی دے کر ہلاک کر دیا۔ پھر یہود و نصاریٰ نبی آخر الزمان کی آمد کے منتظر تھے۔ حضرتؐ کے فضائل لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔ اپنے دشمنوں کے خلاف اس نبیؐ آخر الزمان کے واسطے سے دعائیں کر کے ان پر فتح مند ہوتے تھے مگر جب آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو انتظار کرنے والے ہی سخت دشمن ہوگئے۔ پس اگر خدا اور رسولؐ کے اقوال سچے ہیں تو اس اُمت میں بھی یہ واقع ہونا لابدی ہے کہ جو لوگ آنے والے کا انتظار کر رہے ہوں گے ظہور ہونے پر وہ ہی اس کے دشمن ہو جائیں گے۔

اس اُمت میں حضرت حجت صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ کا خاص طور پر انتظار کرنے والے اور اصلی

منتظر علماء و عوام شیعہ ہی ہیں۔ آنحضرت کے ظہور کے وقت علماء شیعہ ہی حضرتؑ کے سب سے بڑے دشمن ہوں گے۔ جیسا کہ حدیث نمبر:۔۹، ۱۰ مندرجہ صفحہ۔نمبر:۔۸۳ سے ظاہر ہے کہ جب آنحضرتؑ ظہور فرمائیں گے تو آپ کا صریحی دشمن سوائے فقہاء کے خاص کر کوئی نہ ہوگا اور یہ کہ سولہ ہزار مسلح فقہاء یہ کہتے ہوئے نکلیں گے کہ اے فرزندِ فاطمہؑ واپس جاؤ اور حضرت سے قتال کریں گے اور سب قتل ہو جائیں گے۔ اب صاحبانِ عقل بتلائیں کہ علماء کے پیروان کے قول کی تصدیق کرتے ہوئے حضرتؑ حجت کی اطاعت کیسے کر سکیں گے۔ جس طرح عوام یہود و نصاریٰ اپنے علماء کی پیروی کرتے ہوئے حضورؐ سرورِ کائنات کی تصدیق نہ کر سکے۔ اسی طرح پیروانِ علماء بھی حضرت حجتؑ کی تصدیق کرنے سے محروم ہی رہیں گے۔

اب جو لوگ خدا اور رسولؐ کو سچا جانتے ہیں وہ تو سمجھ لیں گے اور ان کو یقین ہو جائے گا کہ ایسا ضرور ہونا ہے۔ پس جو لوگ آج علماء کی پرستش میں مصروف ہیں اور ان کے قول کو حق سمجھتے ہیں، وہ ان کے ساتھ دشمنانِ امامؑ میں شامل ہوں گے۔ ان حالات میں ان شیعوں کے لیے جو رسولؐ و آلِ رسولؐ کو غلط گو نہیں سمجھتے لازم ہو جاتا ہے کہ آنکھیں کھولیں اور تعلیمِ اہلِؑ بیت کو کتابوں میں خود دیکھیں۔ اب تو اتمامِ حجت کا وقت ہے۔ فَاعۡتَبِرُوۡا یَآ اُولِی الۡاَلۡبَاب۔

مندرجہ بالا واضح دلائل و براہین، اقوالِ خدا و رسولؐ اور فرمودات آلِ رسولؐ دیکھنے کے بعد صرف وہی شخص حق کو سمجھنے سے معذور رہے گا جو اس آیت کا مصداق ہوگا۔

"لَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡس"

(ہم نے بہت سے جن و انسان جہنم کے لیے پیدا کیے)

مگر جو جہنم لئے پیدا نہیں کیے گئے جن کے پاس سننے والے کان، دیکھنے والی آنکھیں اور سمجھنے والے دل ہیں ان پر تو اب حق واضح ہو جائے گا۔ جناب باری تعالیٰ عزاسمہ کا ارشاد ہے۔

ہر اُمّت کے لیے ایک اجل معین ہے

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ
سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○

ترجمہ:۔ (الاعراف:۔ آیت۔ ۳۴)

''اور ہر اُمّت کے لئے ایک وقت ہے پس جب ان کا وقت آ گیا
تو پھر نہ ایک ساعت پیچھے ہو سکتے ہیں۔ نہ آگے بڑھ سکتے ہیں''۔

ہمارے مذہب مروّجہ کی تدوین کو تقریباً نو سو برس ہو گئے اور ہم نے اس مقدس خونِ ناحق کو لباسِ باطن کے دھونے کا ذریعہ نہ بنایا۔ آلِ رسولؑ کی قربانیوں کی کچھ بھی قدر نہ کی۔ ان کے احکام کی نافرمانی کرنے اور ان سے بغاوت کرنے میں مصروف رہے۔ مگر آلِ رسولؑ نے اپنے کرم اور اپنے فیوض کو ہم سے نہ روکا۔ ہم پر ان کے کرم کی بارشیں ہوتی رہیں۔ مگر یہ سب اسی وقت تک کے لیے ہے جب کہ وہ مہلت جو ہماری قوم کو دی گئی ہے ختم نہیں ہو جاتی۔ جب مہلت معینہ ختم ہو جائے گی تو پھر عذاب سے کہیں مفر نہ ہو گا۔ اب بھی وقت ہے۔ تعلیمِ اہلِ بیت کی طرف رجوع کریں۔ اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں اور بارگاہ ایزدی سے توفیق عمل طلب کریں۔ اس خونِ ناحق کو رائیگاں نہ جانے دیں۔ اب تو اس خونِ ناحق کا وارث آنے والا ہے جو اس کا انتقام لے گا اور کسی ایسے شخص کو جو اس کے جدِ مظلوم کے قاتلان حقیقی ہوا و ہوس کو اپنے دل میں پناہ دیے ہوئے ہو گا روئے زمین پر باقی نہ چھوڑے گا۔ جس کے پاس سننے والے کان ہوں وہ سُنے۔ جس کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہوں وہ دیکھے۔ جس کے پاس سمجھنے والا دل ہو وہ سمجھے کہ دنیا پر عذاب آنے والا ہے جسکی خبر انجیل مقدس کے مکاشفات یوحنا میں بھی دی گئی ہے کہ آخر وقت میں ایک جنگِ عظیم برپا ہو گی اور برّے کی شادی بڑی دھوم دھام سے منائی جائے

گی۔ وہ بڑہ ہ جو بنائے عالم کے وقت سے ذبح ہوا۔ اس کی شادی کی دعوت میں تمام درندے اور پرندے بلائے جائیں گے تا کہ بادشاہوں اور سرداروں کا گوشت کھائیں اور دوسرے مقام پر ہے کہ آسمان سے آگ اور من من بھر کے اولے گرے مگر لوگوں نے اپنے گناہوں سے توبہ نہ کی۔

علاماتِ ظہور کی کتاب میں موت کی اقسام

علاماتِ ظہور پر ایک کتاب جو ایران میں شائع ہوئی تھی ایک بزرگوار ملتان لائے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں ہم چار پانچ اشخاص ایک جگہ بیٹھ کر مطالعہ کرتے تھے اور تشبیہات و استعارت کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔ جب اس مقام پر پہنچے جہاں یہ ذکر تھا کہ دنیا پر ایسی بلائے عظیم نازل ہوگی کہ بہت تھوڑے عرصہ میں دنیا کی دو تہائی آبادی ہلاک ہو جائے گی اور اس زمانہ میں تین قسم کی اموات عام ہوں گی۔ سُرخ موت، زرد موت اور سفید موت۔ اب ہر شخص ان اموات کی حقیقت سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ سُرخ موت، کا مطلب تو واضح تھا کہ اس سے قتل مراد ہے۔ زرد موت کے متعلق بحث ہوتی رہی۔ بالآخران مباحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس سے قحط مراد ہے۔ اس پر سب متفق ہو گئے۔ مگر سفید موت کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔

سفید موت کا مطلب

ہر شخص نے اپنے عجز کا اظہار کر دیا اور یہ بھی سمجھ میں نہ آیا کہ تھوڑے عرصہ میں دو تہائی آبادی دنیا کی کیسے تباہ ہو سکے گی۔ غرض کہ یہ معاملہ ذہنوں سے نسیاً منسیا ہو گیا۔ جب ۱۹۴۵ء میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر جاپان میں اٹیم بم امریکہ نے گرائے اور اس کے کئی سال بعد اس کے اثرات و نتائج کی تفصیلات شائع ہوئیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ ایٹم کی شعاعوں سے خون کے سُرخ ذرّے سفید ہو جاتے ہیں جس سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس وقت سفید موت کا مفہوم بھی سمجھ میں آ گیا اور دوسرا مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ دنیا کی دو تہائی آبادی تھوڑے عرصہ میں کس

طرح ہلاک ہوسکے گی۔

پیارے بھائیو! ابھی دروازۂ توبہ بند نہیں ہوا ہے۔ ابھی مہلت باقی ہے اب بھی اگر تعلیمِ اہلِ بیتؑ کی طرف رجوع ہو جائیں تو فلاحِ دارین حاصل ہوسکتی ہے۔ اب تو زیادہ مشکل نہیں رہی بہت سی کتابوں کے تراجم ہوگئے ہیں۔ احادیثِ اہلِ بیتؑ طاہرین علیہم السّلام کا خود ہی مطالعہ کرسکتے ہیں۔ سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ مجالس کی اصلاح کی طرف توجہ کریں ان کو حظ وسرور کا ذریعہ بنانے کی بجائے حصول درد کا ذریعہ بنائیں تا کہ ہم پر خونِ ناحق کے ضائع کرنے کا جرم عائد نہ ہو۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کام کیسے کیا جائے تو اس کا حل بھی کیفیاتِ نفس کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔

اصلاحِ مجالس

نفسِ انسان کی فطرت ہے کہ کسی کے مصائب وآلام کا حال سُن کر اس میں جذبۂ ہمدردی جوش میں آتا ہے جو مہیج گریہ ہوتا ہے جس کا ردِعمل سرور ہے۔ درد والم سے تو یہ کوسوں بھاگتا ہے۔ اس کو غم صرف اسی وقت ہوتا ہے اور کیف درد اسی وقت طاری ہوتا ہے جب اس میں اس کی "میں" شامل ہو۔ اس کو تو بس اپنا "میں" ہی پیارا ہے اُس کی شمولیت سے اس کو سوتے ہوئے غفلت ولاشعوری کی حالت میں بھی درد حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایسے بیانات کو جن میں اہلِ حرم کا بین کرنا، بے چین ہونا، اضطرار ظاہر کرنا ظاہر کیا جاتا ہے رفتہ رفتہ کم کرنے اور بالآخر بند کردینے کی راہ نکالی جائے۔ عبث وفضول خطابت کو جو محض تعیش ذہنی اور تضیع اوقات کا باعث ہے روکنے کی کوشش کی جائے۔ متشابہ آیات ومتشابہ احادیث ومبنی بر تقیہ روایات اور موضوعات اور ان کی تفسیروں اور تشریحوں کے بیانات کو جو گمراہی وہلاکت کی طرف لے جانے والے ہیں بند کرنے کی سعی کی جائے۔ ان کے بجائے تاریخِ اسلام، تاریخ عالم، جدید علمی معلومات اور اگر ممکن ہوسکے تو بعض سائنسی مشاہدات بیان کیے جائیں جن سے سامعین کو علم

حاصل ہو ان کے دماغ روشن ہوں، کچھ دلوں کی تاریکی دور ہو اور نظم و نثر میں زیارت ناحیہ کی بابت میں ایسے مراثی لکھے جائیں جن میں نفسِ امارہ کی "میں" بھی شامل ہوتا کہ ان سے درد حاصل ہو سکے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان میں مقصدِ شہادت کا بھی اظہار کیا جائے۔ خواہ وہ واضح طور پر ہو یا اشارات و کنایہ میں کیا جائے۔ چند مثالیں ذیل میں ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

نثر میں ایک مثال

محبوبِ خدا کے پیارے حسینؑ۔ سیدہؑ کے راج دلارے حسینؑ۔ مولاؑ و آقا ہمارے حسینؑ تو ہمارے لیے خاک و خون میں لوٹا۔ عرشِ الٰہی کے گوشوارے۔ خدا و رسولؐ کے پیارے۔ ہمارے ماں باپ تجھ پر قربان۔ تو نے ہمارے لیے نیزہ و شمشیر کے زخم کھائے۔ رسولؐ کی زبان چوسنے والے ساقیٔ کوثر کے پیارے تو ہمارے لیے پیاسا رہا۔ تیری سوکھی زبان کے صدقے جو ہمارے لیے پیاس سے اینٹھی۔ تیرے فرزند نوجوان ہم شبیہِ پیغمبرؐ کے صدقے جس کو تو نے ہمارے لیے قربان کیا۔ آہ! اس ننھے شیر خوار مجاہد کے قربان جس نے ہمارے لیے گردن پر تیر کھایا۔ وغیرہ وغیرہ۔

سلام بہ طرز زیارتِ ناحیہ

مرثیہ نثر میں

سلام ہو ہمارا اس مسافر پر جو بہ ظلم وطن سے نکالا گیا۔ سلام ہو ہمارا اس غریب الوطن پر جس پر غربت میں زغۂ اعداء ہوا۔ سلام ہو ہمارا رسولؐ کی زبان چوسنے والے پر جو تین دن پانی کو ترسا۔ سلام ہو ہمارا ان ہونٹوں پر جو پیاس سے خشک ہوئے۔ سلام ہو ہمارا اس جسمِ اقدس پر جو تیروں سے چھلنی ہوا۔ سلام ہو ہمارا اس مجروح پر جس کے زخموں کا مرہم نہ تھا۔ سلام ہو اس سوارِ دوشِ رسولؐ پر جس کے سینہ پر قاتل سوار ہوا۔ سلام ہو ہمارا ان ہاتھوں پر جو انگشتری کے لیے کاٹے گئے۔ سلام ہو ہمارا اس سرِ مطہر پر جو پسِ گردن سے کاٹا گیا۔ سلام ہو ہمارا اس جسدِ اطہر پر جس کا لباس لوٹ لیا گیا۔ سلام ہو ہمارا لاشۂ بے سر پر جو ریگ گرم پر پڑا رہا۔ سلام ہو ہمارا اس لاشِ مطہرؑ پر جس کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا گیا۔ سلام ہو ہمارا اس سرِ اقدس پر جس نے نوکِ نیزہ پر معراج پائی۔ سلام ہو ہمارا اس مقتول پر خاک و خون جس کی ردا بنے۔ سلام ہو ہمارا ان بچوں پر جو ہمارے لیے پیاس سے تڑپے۔ سلام ہو ہمارا علمدارؑ کے ان بازوؤں پر جو تیغِ ظلم سے کاٹے گئے۔ سلام ہو ہمارا اس سرِ مقدس پر جو گرز سے شگافتہ ہوا۔ سلام ہو ہمارا ان کٹے ہوئے بازوؤں پر جنھوں نے مشکِ سکینہؑ کو سینہ سے لگایا۔ سلام ہو ہمارا ہم شبیہ پیغمبرؐ پر جس نے سینہ پر برچھی کھائی۔ سلام ہو ہمارا اس کم سن فرزند حسنؑ پر جو جیتے جی گھوڑوں سے روندا گیا۔ سلام ہو ہمارا ننھے مجاہد پر جس نے زبانِ خشک سے جہاد کیا۔ سلام ہو ہمارا شیر خوار کی سوکھی گردن پر جو تیر سے چھیدی گئی۔ سلام ہو ہمارا اس ننھی سی قبر پر جو نوکِ شمشیر سے کھودی گئی۔ سلام ہو ہمارا ان بچوں پر جن کے کان زخمی کر کے گوشوارے چھینے گئے۔ سلام ہو ہمارا ان رخساروں پر جو ظالموں کے طمانچوں سے خون آلود ہوئے۔ سلام ہو ہمارا مخدّراتِ عصمت کے ان بازوؤں پر جو

ہمارے لیے رسن بستہ رہے۔ سلام ہو ہمارا ان سرہائے مقدس پر جو بلوؤں میں برہنہ رہے۔ سلام ہو ہمارا ان گردنوں پر جن میں رسن باندھی گئی۔ سلام ہو ہمارا ان بیمار پیروں پر جو بیڑیوں سے زخمی ہوئے۔ سلام ہو ہمارا ان تلوؤں پر جو کانٹوں سے زخمی ہوئے۔ سلام ہو ہمارا اس گردن پر جس میں خاردار طوق ڈالا گیا۔ سلام ہو ہمارا ان قیدیوں پر جو تاریک مکان میں بند رہے۔ سلام ہو ہمارا ان اسیروں پر جن کو شہروں میں تشہیر کیا گیا۔ وغیرہ۔

نظم میں سلام کی مثالیں

خوف کیوں ہو قیدِ باطل سے رہائی کے لئے
جب علیؑ موجود ہوں مشکلکشائی کے لیے

ہم گنہگاروں کی خاطر کون سی تھی وہ بلا
کربلا میں جو نہ تھی زہراؑ کی جائی کے لیے

ذلتیں تشہیر کی ' بازار کی ' دربار کی
کیں گوارا نفسِ خلقت کی صفائی کے لئے

بخششِ اُمت کا زینبؑ کو نہ ہوتا گر خیال
کس طرح تیار ہوتی بے ردائی کے لئے

دیگر

حُرؑ جی ہو گئے جو شاہ کے غمخواروں میں
بے یقیں جائیں گے فردوس کے گلزاروں میں

کیفیت غم کی رہے نفس پہ جس کے طاری
وہ ہی ہو جائے گا رحمت کے طلبگاروں میں

ہادیوں پر تو ہے دنیا کی ہدایت لازم
اس لیے شاہ گئے نیزوں میں تلواروں میں

تھا ہدایت کا نہ منصب پئے بنتِ زہراؑ
کس لیے وہ گئی پھر ظلم کے درباروں میں

قطعہ

ایک بی بی کسی کنبہ کی جو بے جرم و خطا
بال کھولے ہوئے تشہیر ہو بازاروں میں

ہے یقین زینتِ دنیا سے ہٹیں سب کے دل
جو بھی کنبہ میں ہو اس بی بی کے غمخواروں میں

بس یہی راز تھا زینبؑ نے جو کی قید قبول
اور تشہیر ہوئی سر کھلے بازاروں میں

دوستوں کے لیے تا زینتِ دنیا ہو ہیچ
جس سے پھنس جاتے ہیں ہر طرح کے آزاروں میں

بنتِ زہراؑ ترا احسان نہ بھولیں گے ہم
تو ہمارے لیے ماری پھری بازاروں میں

نوحہ

اُمت کو پیمبرؐ کی عصیاں سے بچانا تھا
اس واسطے سیّد کو سر اپنا کٹانا تھا

اس اُمتِ عاصی کے سوئے ہوئے نفسوں کو
کچھ درد والم دے کر غفلت سے بچانا تھا

بے گور و کفن لاشہ اپنا جو پڑا رکھا
دل زینتِ دنیا سے ہم سب کا ہٹانا تھا

زنہائے احبا کو زینت سے تنفر ہو
یوں اہلِ حرم کو بھی تشہیر کرانا تھا

احباب کے نفسوں میں پیدا ہو تڑپ بیحد
اس واسطے کنبہ کو سر ننگے پھرانا تھا

نفسوں کو احبا کے یوں درد و الم دیکر
غفلت سے جگانا تھا عصیاں سے بچانا تھا

ہو درد جو نفسوں میں بچ جائیں گناہوں سے
اس طرح سے اُمت کو دوزخ سے چھڑانا تھا

انتخاب از نوحہ دیگر

آئے رخصت کو جب شاہِ کرب و بلا
ذرّے ذرّے سے آتی تھی اس دم صدا

اے نبیؐ کے پسر تیرا حافظ خدا
الوداع الوداع الوداع الوداع

بولے زینبؑ سے اس وقت شاہِ زمن
دھیان اُمّت کا ہر دم رہے اے بہن

ہم نے سب کچھ تمہارے حوالے کیا
الوداع الوداع الوداع الوداع

ظلم سہہ کر دلوں کو دکھانا بہن
یوں محبوں کو شر سے بچانا بہن

تا کہ احباب محفوظ ہوں از خطا
الوداع الوداع الوداع الوداع

درد و حسرت کے سامان کر دیجیو
دل کو احباب کے غم سے بھر دیجیو

بازوؤں میں رسن ہو تو سر ہو کھلا
الوداع الوداع الوداع الوداع

ہم تو جا کر کٹائیں گے سر اے بہن
اپنے شانوں میں بندھوائیو تم رسن

ہم ہوں مردوں پہ تم عورتوں پر فدا
الوداع الوداع الوداع الوداع

اے ادیمؔ حزیں جب کہ شاہؑ زمن
چوم کر شانے کہتے تھے رخصت بہن

چوم کر شہ کا کہتی تھی زینبؑ گلا
الوداع الوداع الوداع الوداع

دُوسری مجلس

اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیْم ٥ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥ الحمد لله الذی قرب من خطرات الظنون بعد عن ملاحظة العیون ٥ والصلوٰة والسلام علیٰ درةالمکنون ٥ حبیبه الذی لیسلمه والمرسلون مُحمّدن المصطفےٰ و آله واھل بیته الذیٰ یصلّون علیھم ملائکته المقربون ٥ صلوٰة ٥ امابعد فقد قال الله تبارک وتعالیٰ فی کتابه المجید و فرقانه الحمید و قوله الحق ٥

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُو اتَّقُوا اللهَ وَکُوْنُوا مَعَ الصّٰادِقِیْنَ ٥

(التوبہ:۔ آیت: ۱۱۹)

جنابِ رب العزت اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ ''اے وہ لوگو جوایمان لائے ہو اللہ سے ڈرواور سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ!'' صلوٰۃ۔

خدا کا حکم ہے کہ سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ تو اب سچّوں کی تلاش کیجئے۔ سچا کون ہو سکتا ہے۔ جو سچ بولے وہی سچا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ جس نے کسی حقیقت کے مطابق عمل سے یا قول سے اظہار کیا وہ سچا تو ہے مگر یہ کیا ضروری ہے کہ اس موقع کے علاوہ کسی اور وقت یا کسی دوسری جگہ اس نے سچ کے خلاف نہ کہا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص ہمیشہ جھوٹ ہی بولتا رہا ہو مگر ہمارے سامنے جو ایک معاملہ آگیا اُس وقت اُس نے سچ کہہ دیا۔ تو ایسے شخص کو صادق نہیں کہا جا سکتا۔ صادق تو صرف وہی ہوسکتا ہے جس نے کبھی کسی وقت اور کسی حالت میں جھوٹ نہ بولا ہو اور ایسا شخص سوائے معصوم کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

ہمارے خیال کے مُطابق تو یہی دُرست ہے کہ صادق لقب کا وہی شخص مستحق ہے جس

نے دُنیا میں آ کر یعنی پیدائش سے لے کر آخر عمر تک کبھی عمل سے یا قول سے خلاف حقیقت اظہار نہ کیا ہو۔ یعنی جُھوٹ نہ بولا ہو۔ اُسکی زبان پر سچ ہی رہا ہو۔ پہلی مجلس اِسی مضمون کو لئے ہوئے گزر چکی ہے۔ جس میں صدق کے معنٰی واضح کئے جا چکے ہیں۔ نیز ان نکات پر روشنی ڈالی جا چکی ہے کہ:۔

ا۔ حقیقت کے مُطابق اظہار کرنا بشرطیکہ احقاقِ حق کے لئے ہو صدق ہے اور بد نیتی سے ہو تو جھوٹ۔

۲۔ خلافِ حقیقت بیان جبکہ ہدایتِ خلق کی ضرورت کے لئے کیا جائے وہ جھوٹ نہیں ہے بلکہ مکر و تقیہ کہلاتا ہے نفسِ انسان پر گہرے نقوش بٹھانے کے لئے قوانین فطرت کی رُو سے ہنگامے کی ضرورت ہوتی ہے جو حقیقت نہیں ہوتے۔ موسیٰؑ اور خضرؑ کی ملاقات بھی ایک امر کا گہرا نقش بٹھانے کے لئے ایک ہنگامہ ہے۔ ہر صاحب ایمان اور صاحبِ معرفت پر تقیہ واجب ہے تا کہ نا اہلوں پر حقائق کا اظہار نہ کریں۔

جتنے مراتبِ ایمان و معرفت بلند ہوتے جاتے ہیں اُتنی ہی منزلِ تقیہ بلند ہوتی جاتی ہے حتٰی کہ ولادت سے وفات تک ہادیانِ دین کی تمام زندگی تقیہ ہی تقیہ ہے۔ مثلاً وہ اپنے کو مجبور و لاچار ظاہر کر کے مظلومیت کی زندگی ہدایت خلق کے لئے اختیار کرتے ہیں دراں حالیکہ وہ ہر شے پر قادر ہیں۔ غرض کہ ہم صادق اُس کو کہہ سکتے ہیں جس نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو مگر اس سے بھی کچھ بلند دَرجہ رکھنے والی ہستیاں ہمارے سامنے آتی ہیں کہ جو کچھ وہ کہہ دیں وہی سچ ہو جائے جن کا ہر قول و فعل حق ہی نہیں بلکہ جدھر کو وہ پھریں حق بھی اُدھر ہی پھر جائے۔ جناب سرورِ کائنات فخرِ موجودات کا ارشاد ہے۔ ''علی مَعَ الحق و الحقّ مع علی یدور حیثما الدّار''۔ یعنی علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ جس طرف علیؑ پھرتے ہیں اُسی طرف حق بھی

پھر جاتا ہے''۔ ان ہستیوں میں سے جن پر صادقین کا اطلاق ہوسکتا ہے ایک ہستی امیر المومنین سیّد الوصیین علیؑ ابنِ ابی طالب کی ہے کہ سچ کے محتاج نہیں بلکہ سچ خود اُن کا محتاج ہے۔ جو کچھ یہ کہدیں خود سچ مجبور ہوجائے گا کہ اُسی کی مطابقت کرے۔ اس کی مثال دیکھنا ہو تو آئیں علیؑ کے دَر پر آ کر دیکھیں۔

محبوبِ خدا کی دُخترِ نیک اختر سیّدہ النساء العالمین صدیقہ طاہرہ زوجہ علی مرتضٰی علیہم الصلوٰۃ و السلام صحنِ خانہ میں تشریف فرما ہیں کہ محبوب کبریا کے پیارے سیّدہؑ عالم کے راج دلارے علیؑ مرتضٰی کی آنکھوں کے تارے حسنین علیہم السّلام گھر میں تشریف لاتے ہیں اور آتے ہی مادرِ گرامی سے لپٹ جاتے ہیں۔ حبیب خدا کی پیاری اپنے پیاروں کو سینہ سے لگالیتی ہیں تو وہ عرض کرتے ہیں امّاں جان کل عید ہے سب لڑکے عید پر نئے کپڑے پہنیں گے۔ امّاں جان ہمارے عید کے کپڑے کہاں ہیں۔ اُس وقت تو سیّدہ عالمؑ نے بچّوں کو بہلا دیا مگر جب دن ختم ہوگیا اور بچے اصرار کرنے لگے تو معصومہؑ نے فرمایا بچو! تمہارے کپڑے درزی لائے گا۔ تم اطمینان سے سو رہو۔ یہاں روایت کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ صرف یہ بیان کرنا ہے کہ چونکہ صدیقہ طاہرہ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تھے کہ دَرزی تمہارے کپڑے لائے گا تو قدرت اس کی تصدیق اس طرح کرتی ہے کہ صبح سے پہلے دَقّ الباب ہوتا ہے۔ دریافت کرتی ہیں کون ہے؟ تو جواب ملتا ہے حسنین کا درزی ہوں۔ صاحبزادوں کے کپڑے لایا ہوں۔ اللہ اکبر رضوان جنت صدیقہ کے کلام کی تصدیق کے لیے درزی بن کر اہلِ بیتؑ کے دروازے پر آتا ہے۔ صلوٰۃ۔

اعتراض کرنیوالے متشککین کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو ایک فرقے کی روایت ہے جو دیگر فرقِ اسلامیہ کے لئے لائق وثوق نہیں ہے۔ اچھا ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ایک فرقہ کی روایت ہے جو دیگر فرقِ اسلامیہ پر حجت نہیں ہوسکتی لیکن اس بات کے ماننے سے کسی کو چارہ نہیں کہ صادقین کا اطلاق صرف اُن ہی ہستیوں پر ہوسکتا ہے جن سے کبھی صداقت کے خلاف اظہار نہ ہوا اور ایسی

بنی صرف معصوم ہی ہو سکتی ہے۔

کسی نبی کی زندگی کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السّلام عوام کی مثل ہی زندگی گزارتے ہیں۔ جیسی کیفیاتِ نفسی عوام کے نفوس پر طاری ہوتی ہیں وہ ویسی اپنے اوپر طاری کر کے دکھاتے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ کو دیکھئے کہ فراق یوسفؑ میں روتے روتے بینائی زائل ہوگئی جس کی شہادت قرآن مجید میں موجود ہے جیسا کہ ارشادِ ربُّ العزّت ہے۔ "وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم" یعنی اُن کی دونوں آنکھیں روتے روتے سفید ہو گئیں اور وہ بڑا ضبط و صبر کرنیوالے تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ حالت اضطراری تھی یا اختیاری۔ اس کے لئے اس پر غور کرنا ضروری ہے کہ نبیؑ اُن تمام کمالات کا حامل ہوتا ہے جو دیگر افراد ریاضت نفس کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو یعنی نبیؑ کے پاس کمالات نہ ہوں جو عام انسان ریاضت کے ذریعے حاصل کر لیتے ہیں تو ظاہر ہے ایسے لوگوں کے سامنے نبیؑ کی منزلت کم ہو جائے گی، اُن کا درجہ گر جائے گا اور وہ پست ہو جائیں گے اور یہ بات وہ ہے کہ کوئی بھی مسلمان ماننے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ ایک ماہر علم رمل، ایک علم نجوم کا صحیح واقف، ایک صاحب ریاضت فقیر بھی سیکڑوں میل دُور کے حالات اور کھوئی ہوئی چیزوں اور لوگوں کا پتہ بتا دیتے ہیں۔ ریاست اندور میں ایک صاحب ریاضت سیّد صاحب ۱۹۲۸ء تک تو حیات تھے۔ اب معلوم نہیں زندہ ہیں کہ نہیں۔ اُن کے پاس اکثر ایسے سائل آیا کرتے تھے۔ ایک دن ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میری گائے کھوگئی ہے۔ سیّد صاحب نے اپنے ہاتھ کو غور سے دیکھا اور اُس کو بتلا دیا کہ تیری گائے یہاں سے چند میل کے فاصلے پر فلاں پہاڑی کے دامن میں ایک درخت کے نیچے موجود ہے۔ چنانچہ وہ شخص اُس پتہ پر پہنچ گیا اور اپنی گائے کو لے آیا۔

جب یہ کمالات عام لوگ علوم اور ریاضت کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک نبی کے نفس میں یہ اہلیت نہ ہو۔ لہٰذا حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کا یہ

فراقِ ظاہری ہے۔ حضرت یعقوبؑ نبی ہیں۔ معصوم ہیں اور معصوم کے نفس میں تمام کمالات کا موجود ہونا لازم ہے۔ چنانچہ اس کے تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ یعقوبؑ و یوسفؑ ہر وقت ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے اور ایک دوسرے کے حالات سے واقف تھے۔ حضرت یعقوبؑ کا گریہ اور مسلسل روتے رہنا ایک مظاہرہ دَرد تھا تا کہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف جذب کرلیں۔ اس لئے کہ انسان کی فطرت یہ ہے کہ اُس کا دل مصیبت زدہ کی طرف کھینچتا ہے اور اُس سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔

نبی پیدائش ہی سے نبی ہوتا ہے وہ پیدا ہی معصوم ہوتا ہے اور جملہ کمالات میں کامل ہوتا ہے لیکن اگر وہ اپنے کمالات کا اظہار کردے اور عامتہ الناس جیسے جذبات اور کیفیات کا اظہار نہ کرے تو لوگ یا تو حیرت زدہ ہو کر گمراہ ہو جائیں گے یا خوفزدہ ہوں کر بھاگ کھڑے ہوں گے اور نتیجہ میں بابِ ہدایت مسدود ہو جائے گا اور ہدایت خلق کا جو فرض نبی کے سُپرد ہے پورا نہ ہو سکے گا۔ اس لئے انبیاء اور معصومین علیہم السّلام پر لازم ہے کہ وہ حقیقت کو چھپاتے رہیں اور عامتہ الناس جیسی کیفیات اپنے اوپر طاری کر کے دکھلائیں اسی کو تقیہ کہتے ہیں۔

دیکھئے جناب سرورِ کائنات افضلِ موجودات صلعم نے ایک موقع پر جناب امیرالمومنین سیّدالوصیین حضرت علیؑ ابنِ ابیطالبؑ سے ارشاد فرمایا کہ یا علیؑ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ تمہارے بارے میں اُسی کی مثل کہنے لگیں گے جو عیسیٰؑ کے بارے میں بہت سے لوگ کہتے ہیں تو میں آج تمہارے ایسے فضائل بیان کرتا کہ جس طرف سے تم گزرتے لوگ تمہارے پاؤں کے نیچے کی خاک طلبِ شفا اور حلِ مشکلات کے لئے اُٹھایا کرتے۔ اس فرمان سے ظاہر ہوا کہ محبوبِ خدا اشرف الانبیاء نے حقیقت کو چُھپائے رکھا۔ کیوں؟ صرف لوگوں کی گمراہی کے خوف سے۔ یہ آنحضرتؐ کا تقیہ ہے۔ لفظِ تقیہ سے چڑنے والے اس کیلئے کوئی اور لفظ بتلائیں۔ اس کیلئے کوئی دُوسرا کلمہ مل ہی نہیں سکتا۔ تقیہ کی تعریف جو علامہ شیخ محمد یعقوب کلینی علیہ الرحمہ نے

اُصول کافی میں بیان فرمائی ہے وہ تو صرف اتنی ہے کہ ضرورت کے وقت خلاف ضمیر اظہار کرنا تقیہ ہے۔ اس کی مثال قرآن کریم ہی میں دیکھ لیں ۔ مکہّ میں جب لوگ اسلام قبول کرنے لگے تو کفار قریش بہت غضبناک ہوئے ۔ جو شخص مسلمان ہو جاتا تھا اُس پر طرح طرح کے ظلم کرتے تھے جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر سینہ پر پتھر رکھ دیتے۔ کسی کو قید کر دیتے ۔ شدید ضربیں لگاتے۔ ایک دن چند مُشرکین نے حضرت عمار یاسر کے گھر پر حملہ کر دیا۔ اُن کے والدین کو تو مُشرکین نے شہید کر دیا اور حضرت عمار یاسر کو پکڑ لیا۔ بہت مارا اور مجبور کیا کہ وہ رسولؐ اللہ کی شان میں نازیباالفاظ کہیں چنانچہ بہ مجبوری جو کچھ اُنھوں نے کہلوایا وہ حضرت عمار نے کہہ دیا تب جا کر اُنھیں چھوڑا گیا۔ جب یہ واقعہ مشہور ہوا تو بعض لوگوں نے جناب سرورکائناتؐ سے جا کر کہا کہ عمار تو کافر ہو گئے ۔ ادھر حضرت عمار بھی باحال پریشاں روتے ہوئے حضور کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور وہ دردناک واقعات سُنائے ۔ اُسی وقت یہ آیہ شریفہ نازل ہُوئی ۔ ”وَمَنْ كَفَرَ بِاللهِ مِنْ م ابَعْدِ اِيْمَا نِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ“ بِالاِیْمَان “ (اور جو شخص ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے سوائے اُس شخص کے جو مجبور کیا جائے دراں حالیکہ اُس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو) وَلٰكِنْ مِن شَرِحَ بِالكفر صدراً فعليهم غضب من الله ولهم عذاب عظيم o (اور لیکن جو کفر کے لئے سینہ (دل) کھول دے پس اُن پر اللہ کا غضب ہوگا اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے)۔ اُس وقت آنحضرتؐ نے حضرت عمار کو بشارت سُنائی کہ تم کافر نہیں ہوئے یہ تم نے جو کچھ کیا ہے اپنے ضمیر اور دل کے خلاف کیا ہے۔ اور بالکل مجبوری کی حالت میں۔ تمام تفاسیر میں اس آیت کی شانِ نزول میں یہ واقعہ موجود ہے۔ اسی کو تقیہ کہتے ہیں ۔لیکن یہ تو تقیہ کی پست ترین منزل ہے جو عامتہ الناس کے لئے ہے یعنی ضرورت کے وقت خلاف ضمیر اظہار کر دینا جائز ہے اگر ایسا نہ کرے تو مجرم نہیں۔ اُس پر کوئی گناہ نہیں ہے جیسا کہ حالتِ اضطرار میں مردار یا سور کا گوشت یا کوئی اور حرام شے کھانے پر گناہ نہیں ہے۔

دیکھو قرآن "اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۝" (ہم نے تم پر مُردار اور خون اور سور کا گوشت حرام کیا ہے۔ پس جو شخص حالتِ اضطرار میں ہو (اور ایسی چیز کھالے) تو اُس پر گناہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ اُسکی نیت بغاوت کی نہ ہو) یعنی یہ نیت نہ ہو کہ اجی اس میں رکھا ہی کیا ہے۔ کھاؤ! یا یہ نیت ہو کہ ہم تو بار بار کھایا کریں گے۔ مثل مشہور ہے کہ تیسرے فاقہ میں تو مردار بھی حلال ہے مگر یہ اختیاری ہے۔ ہلاکت سے بچنے کے لئے کھالے تو گناہ نہیں اور نہ کھائے تو بھی گناہ نہیں۔ اسی طرح عامۃ الناس کے لئے جان ومال کے تلف ہوجانے کے اندیشے سے خلافِ ضمیر اظہار کرنا جبکہ دل میں ایمان ہو جائز ہے۔

اَب تقیہ کی اس سے بلندتر منزل سامنے آتی ہے جہاں تقیہ واجب ہے اور تقیہ نہ کرنا جرم اور گناہ ہے جس کی سخت سزا ملتی ہے۔ چنانچہ اُصولِ کافی میں جناب شیخ مُلا محمد یعقوب کلینی نے کتاب التقیہ میں حضرت صادقؑ کی ایک حدیث نقل فرمائی ہے اور وہ یہ ہے۔

"احجبوا علیٰ دینکم بالتقیہ انکم علیٰ دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذا اللہ"۔

حضرت اپنے محبوں سے ارشاد فرماتے ہیں کہ تم اپنے دین کو تقیہ سے چُھپائے رہو۔ تم ایسے دین پر ہو جس نے اُسے چُھپائے رکھا اُس کو اللہ تعالیٰ فطرت پر غلبہ فرمائے گا اور جس نے اس کو افشا کیا اُس کو اللہ تعالیٰ ذلیل وخوار کرے گا۔

ہندوستان میں مرادآباد کے ایک شخص نے ایک کتاب نصیحۃ الشیعہ لکھی تھی۔ اس نے تقیہ پہ اعتراضات کئے تھے۔ یہ حدیث جو آپ نے ابھی سُنی ہے اس کو نقل کر کے اُس شخص نے

بہت مضحکہ اُڑایا ہے۔ ایک نظم بھی لکھ ڈالی تھی۔

"کبھی امر حق کو زباں پر نہ لانا جو سچ پوچھے کوئی تو ناحق بتانا"

وغیرہ وغیرہ۔ اگر تقیہ کا مفہوم صرف یہی ہو کہ ضرورت کے وقت خلافِ ضمیر اظہار کرنا تب تو اس حدیث کا سمجھنا مشکل ہے اس لئے کہ وہ تقیہ جائز ہے مگر صرف ضرورت کے وقت۔ لیکن اس حدیث سے تقیہ کے لئے وجوب ظاہر ہوتا ہے اور وہ بھی ہر وقت اس میں ضرورت کی بھی تخصیص نہیں بلکہ مولاؑ فرما رہے ہیں کہ ہر وقت اور ہر حال میں تقیہ کرنا واجب ہے لہٰذا یہ تقیہ وہ عوام کا تقیہ نہیں ہو سکتا اور یہ دین بھی جس کو ہر وقت چُھپائے رکھنا لازم ہے عام مذہب اور عام دین نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہو تو یہ سب ماتم مجلس وغیرہ ختم کرنی پڑیں گی مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ تقیہ کچھ اور ہی ہے۔ ہر چند کہ اس کا سمجھنا سہل نہیں ہے مگر کچھ نہ کچھ تو بیان کرنا ضروری ہے۔ پہلے ایک حدیث کا مضمون سُن لیں۔ مولوی مقبول احمد صاحب (مرحوم) نے اپنے ترجمہ قرآن کے ضمیمہ میں حضرت صادقؑ کی ایک طولانی حدیث نقل فرمائی ہے جو توحید کے متعلق ہے جس کے ایک جزو کا لُبِّ لُباب یہ ہے کہ مولاؑ فرماتے ہیں کہ عقلا وہ ہیں جو تفکر کرتے رہتے ہیں۔ غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب اُن کو حُبّ اللہ پیدا ہوتی ہے اُس وقت وہ منزلِ ربوبیت میں پہنچ جاتے ہیں۔ تب خلق اللہ کو اُن سے فوائد پہنچنے لگتے ہیں۔ پھر اُن کو امورِ قدرت میں دخل ہو جاتا ہے۔ یہاں پہنچ کر علم اُن کو اس طرح عطا ہونے لگتا ہے کہ علماء کو نہ ملا ہو، وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ حدیث بہت طولانی ہے لہٰذا موقع کی ضرورت کے لیے اسی قدر پر اکتفا کی جاتی ہے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے اور اکثر حضرات نے علمائے کرام سے بھی سُنا ہوگا کہ ایمان کے مدارج بہت ہیں۔ پست ترین درجہ ایمان ظاہری ہے۔ جس کو مدارج ایمان میں ترقی کی خواہش ہوتی ہے اور وہ اس راستے پر چلتا ہے جو اہلِ بیت طاہرین نے تعلیم فرمایا ہے یعنی وہ ایسے اعمال بجالاتا ہے جن کا تعلق تزکیہ نفس یا حصولِ ایمانِ حقیقی سے ہے تو رُوح میں صفائی پیدا ہوتی ہے۔ باطنی قوتوں

میں ترقی ہوتی ہے اور دین کے راز منکشف ہونے شروع ہوتے ہیں۔ جب کوئی راز منکشف ہوتا ہے تو سینہ میں آگ سی لگ جاتی ہے بے انتہا گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے اور اُس وقت بہت دل چاہتا ہے کہ کسی سے اس راز کا ذکر کروں۔ پس اگر وہ صبر کرے گا اور اُس منکشف شدہ بات کو زبان پر نہ لائے گا تو علم کے دروازے کھلنے لگیں گے اور مدارج ایمان میں ترقی ہوتی رہے گی اور اگر صبر نہ کر سکے اور لوگوں سے کہتا پھرے تو وہ کیفیت جو پیدا ہوئی ہے زائل ہو جائیگی اور آئندہ کوئی نعمت اُس کو نہیں ملے گی۔

اس کا سمجھنا تو مشکل ہے مگر آپ اتنا تو سمجھ سکتے ہیں کہ بہت سے اعمال واوراد و وظائف ایسے ہیں کہ اُن کے کرنے سے مقدس روحوں سے رابطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض کو آئمہ علیہم السلام میں سے کسی کی زیارت ہو جاتی ہے۔ بعض کو خواب نظر آنے لگتے ہیں۔ کسی کو اعزا کی ارواح دکھائی دیتی ہیں۔ کبھی آوازیں سُنائی دیتی ہیں۔ پس جو لوگ ان مشاہدات یا خوابوں کا ذکر کسی سے نہ کریں گے اُن کی یہ باطنی قوتیں ترقی کرتی رہینگی اور قدرت کے راز اُن پر کھلنے لگیں گے۔ ارواحِ مقدسہ اُن کو آئندہ کی خبروں سے بھی مطلع کرنے لگیں گی۔ مگر وہ جو اُن کا ذکر کردے گا وہ اس قوت سے بالکل محروم ہو جائے گا۔ اکثر عملیات جن میں کسی آیت وغیرہ کا ورد کیا جاتا ہے ایسے ہوتے ہیں کہ لوگ اپنی کسی حاجت کے لئے وہ ورد کرتے ہیں اور عمل کے دوران کسی بزرگ یا معصوم کی زیارت ہوتی ہے۔ پس اگر اُس کا ذکر زبان پر نہ آئے گا تو عمل مقبول ہوگا۔ حاجتیں بر آئیں گی اور اگر ذکر زبان پر آگیا تو عمل باطل ہو جاتا ہے بلکہ اُلٹا نقصان پہنچ جاتا ہے۔

یہ تفصیلات بھی ایسی ہیں کہ ہر شخص اِن کو بھی سمجھ نہیں سکتا۔ بات ایسی ہونی چاہیئے۔ جو عام فہم ہو لہٰذا اب قرآنِ کریم ہی کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ یہ تو ہر مسلمان کہتا ہے کہ قرآن پر میرا ایمان ہے اور قران یہ کہتا ہے۔ لوانزلنا هذا القرآن علیٰ جبل الرایتہ خاشعاً

قرآن باطن

متصدعا من خشیۃ اللہ" (اگر ہم اس قرآن کو پہاڑوں پر نازل کر دیتے تو تم دیکھتے کہ خوف خدا سے لرز لرز کر ٹکڑے ہو جاتے۔) یہ قرآن کی آیت ہے۔ پس جس کا ایمان قرآن پر ہے اُس کو اس میں ذرا بھی شک نہیں ہو سکتا کہ قرآن کا بوجھ پہاڑ نہیں اُٹھا سکتے مگر ہم تو کئی قرآن ہاتھ میں اُٹھا لیتے ہیں۔ رمضان شریف میں کئی قرآن پڑھ ڈالتے ہیں اور ذرا سا بوجھ بھی محسوس نہیں ہوتا۔ ایک واقعہ سُنیئے۔ کسی عدالت میں ایک گواہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا تم قرآن اُٹھاؤ گے۔ کہنے لگا کہ صاحب پہلے مجھے دکھا دیں تو پھر بتلا سکوں گا۔ چنانچہ قرآن کی ایک جلد اُسے دکھلائی گئی۔ دیکھ کر کہنے لگا۔ "جی ہاں ایسے تو میں دس قرآن بھی اُٹھا لوں گا"۔ جس طرح یہ جاہل قرآن اُٹھانے کا مطلب کتاب کے مادّی جسم کو اُٹھانا سمجھتا رہا اسی طرح قرآن کے بوجھ کا مطلب بھی لوگ نہیں سمجھتے۔ لائقِ غور امر یہ ہے آخر اس کا سبب کیا ہے کہ لوگوں کو قرآن کا بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔ اسکے سمجھنے کے لئے صرف سورج کی مثال کافی ہوگی۔ کوئی شخص سورج کی شعاعوں کے سامنے ہاتھ، پیر، سر، سینہ غرض کہ جسم کا کوئی عضو کھول دے تو اُن میں سے ہر عضو سورج کی چمک برداشت کر لے گا مگر سورج کے مقابل آنکھ نہیں کھولی جا سکتی۔ اگر آئینہ سے لوٹی ہوئی شعاع بھی آنکھ پر پڑ جائے تو آنکھ کیلئے اُس کی چمک بھی برداشت کرنا مشکل ہوگا۔ پس جس طرح سورج کی شعاعوں کا بار سارے جسم میں صرف آنکھ پر ہی محسوس ہوتا ہے اسی طرح چونکہ قرآن بھی نور ہے لہٰذا اُس کا بار بھی تاریک قلوب کو محسوس نہیں ہو سکتا۔ جس طرح آئینہ پر سیاہی لگا دینے سے شعاعوں کی چمک اس میں معلوم نہیں ہوتی اسی طرح قلب بھی اگر صاف نہیں تو اُس پر نورِ قرآنی کا اثر نہیں ہوگا۔

احادیث متواترہ سے یہ امر ثابت ہے کہ کلام اللہ کے ایک ایک کلمہ کے ستر ستر بطن ہیں اور ہر بطن کے ستر ستر بواطن ہیں۔ عامتہ الناس کا حال تو یہ ہے کہ کلام اللہ کے ظاہری مفاہیم پر ہی عمل نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ جناب ایسے اعمال تو متقی لوگوں کے لئے ہیں۔ ہم بھلا پورے قرآن

پر کس طرح عمل کر سکتے ہیں۔ پس اگر ان لوگوں کو قرآن کے اعلیٰ مفاہیم سُنا دیئے جائیں تب تو وہ مذہب ہی سے بیزار ہو جائینگے اور کہنے لگیں گے کہ اگر یہی اسلام ہے تو ہمارے لئے اس پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اعلیٰ مفاہیم کو لوگوں پر ظاہر نہ کیا جائے اس لئے کہ ان کے اظہار سے اگر ایک فرد بھی گمراہ ہو گیا تو اس کی ذمہ داری اُس بیان کرنے والے پر ہوگی اور اُس کی سزا کا مستوجب ہو جائے گا۔ یہ ہی وہ تقیہ ہے جو ہر وقت اور ہر زمانہ میں لازم و واجب ہے اور جس کا ترک کرنا گناہ ہے۔

ہر چند کہ مطلب اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے مگر سامعین صبر نہ کر سکیں گے اور مثال کے طالب ہوں گے تو صرف ایک صراط کی مثال ہی اُن کو مبہوت کرنے کے لئے کافی ہوگی۔ ہر روز کم از کم دس مرتبہ پڑھتے رہتے ہیں "اھدنا الصراط المستقیم"۔ مگر کیا اس کا مفہوم بھی سمجھتے ہیں۔ ہر شخص یہ ہی سمجھتا ہے کہ عقائد صحیحہ کو تسلیم کر لینا ہی صراطِ مستقیم ہے۔ اور احادیث سے یہ امر بھی ثابت ہے کہ صراط پر چل کر ہی جنت میں پہنچا جا سکتا ہے۔ جو صراط پر نہ چل سکے گا وہ جہنم میں گر جائے گا۔ اب حضور سرورِ کائنات کا فرمان دیکھیں۔ ارشاد ہے "یا علیؑ الصراط صراطِک" اے علیؑ صراط تمہارا راستہ ہے! اب سوال یہ ہوگا کہ وہ راستہ کیا ہے؟ تو اس کو امیر المومنین سید العارفینؑ نے واضح کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں "ما اشرکت باللہ طرفة عینی" یعنی میں نے اللہ کے ساتھ پلک جھپکانے میں بھی شرک نہیں کیا۔ جاہل عوام اس کا مفہوم یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے اتنی دیر کو بھی بُت پرستی نہیں کی جتنی کہ پلک جھپکانے میں دیر لگتی ہے۔ اب اگر اس کا یہی مطلب ہے تو ہر وہ بچہ جو مسلمان کے گھر پیدا ہوا ہے یہ ہی دعویٰ کر سکتا ہے اس لئے کہ وہ پیدا ہی مسلمان کے گھر میں ہوا ہے۔ اُس سے اور بُت پرستی سے کیا واسطہ۔ اگر امیر المومنینؑ نے بھی یہ ہی بات کہی ہے تو اس میں اُن کی کونسی فضیلت ہوئی۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اس بات کا ہرگز ہرگز یہ مفہوم صحیح نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب عوام کے تصور سے بہت

بالا تر ہے۔ جب تک کیفیاتِ نفس کا مطالعہ نہ کیا ہو یا نہ کریں اس کا مفہوم حقیقی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا۔

بیٹے! جسم انسان میں بے شمار کام ہر وقت ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً حرکت قلب، دورانِ خون، معدہ وجگر وآنتوں، گردوں، پھیپھڑوں وغیرہ کے کام۔ یہ افعال اضطراری کہلاتے ہیں اور نفس ان کا فاعل ہے لیکن اس کو ان کا احساس تک نہیں ہوتا۔ یہ سب حرکات کیفیت لاشعوری میں جاری رہتی ہیں۔ زندگی کے اور تمام کام جو اُمورِ دُنیا کے متعلق ہیں اگر غیر ارادی اور لاشعوری میں صادر ہوں گے تو قرآن وحدیث کی رُو سے اِن کو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ہی ہوائے نفس ہے۔ جناب امیر المومنینؑ فرماتے ہیں سب سے بڑا معبود جس کی دُنیا میں عبادت کی جاتی ہے وہ ہوائے نفس ہے۔ اب مولاؑ کے فرمان کا مطلب سمجھ میں آ سکتا ہے کہ پلک جھپکانے کا شرک سے کیا تعلق ہے۔ اب سمجھیں اور غور کریں کہ جسم کے اندر تمام اعضا و جوارح کے سب کام ہر دم اور ہر لحظہ غیر ارادی اور لاشعوری طور پر ہو رہے ہیں۔ ان میں کوئی کام ایسا نہیں ہے جس پر انسان کو کچھ بھی اختیار حاصل ہو مثلاً دل کی دھڑکن پر اور خون کے رگوں میں دوڑنے پھرنے پر انسان کو کیا اختیار ہو سکتا ہے۔ البتہ ایک پلک جھپکنے کا کام ہی ایسا ہے جو غیر ارادی اور لاشعوری طور پر ہوتا رہتا ہے مگر اس پر انسان کو اختیار بھی حاصل ہے۔ پس اگر اس کو فریضۂ فطری سمجھ کر ارادتاً پلک جھپکائے تو یہ اللہ کی عبادت ہے اور اگر غیر ارادی ولاشعوری طور پر یہ فعل صادر ہو تو یہ ہی شرکِ باطنی اور شرکِ خفی ہوگا۔ تو مولاؑ کا مفہوم تو یہ ہے کہ غیر ارادی ولاشعوری طور پر میں نے کبھی پلک بھی نہیں جھپکائی یعنی اگر میری پلک تک جھپکی ہے تو میں نے اُسے فریضۂ فطری سمجھ کر رضائے الٰہی کے لئے ہی جھپکایا ہے۔ یہ ہے مولاؑ کا عمل اور یہ ہے اُن کا راستہ، اب چلئے مولاؑ کے راستے پر اور کہیئے "اِهْدِ نَا الصِّرَا طَ الْمُسْتَقِيْمَ"۔

سامعین اب ذرا غور فرمائیں کہ اگر صراط کا مفہوم حقیقی عامتہ الناس پر واضح کر دیا جائے تو

کیا وہ وحشت میں مبتلا نہ ہو جائیں گے! کیا اُن میں سے بہت سے دین سے بیزار ہو کر یہ نہ کہنے لگیں گے کہ اگر یہ ہی دین ہے تو ہم ایسے دین سے باز آئے۔ دیکھئے البقر۔ آیت نمبر: ۲۸۶ میں اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔ " لَا تُكَلِّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا "۔ یعنی اللہ کسی نفس کو اس کی اہلیت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ لہٰذا فریضۂ فطری ہے کہ عوام کو آیات قرآنی کا پست ترین مفہوم ہی بتلایا جائے۔ جیسے جیسے کسی فرد کا نفس ترقی کرتا جائے گا ویسے ویسے اُس میں بلندتر مفاہیم سُننے اور اُن کا بار اُٹھانے کی اہلیت پیدا ہوتی جائے گی۔

یہ ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اُس کی اہلیت سے زیادہ بار نہیں ڈالتا مگر عزادارو! ہم دیکھتے ہیں کہ آلِ رسول کا گھرانہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہو گیا۔ چنانچہ منقول ہے کہ بعدِ شہادتِ امام حُسینؑ، عمرِ سعد نے شمر ملعون سے کہا کہ ابنِ زیاد کا حکم ہے کہ حسینؑ کو قتل کرنے کے بعد اُن کے اہلِ حرم کو لوٹو اور اُن کے خیموں میں آگ لگا دو۔ یہ سُنتے ہی۔

نکلا عمر کے خیمہ سے ہنستا وہ بد گہُر ۔۔۔ اور نیزہ پر بلند کیا شاہِ دیں کا سَر
پھر چار سمت کو یہ ندا دی پکار کر ۔۔۔ ہاں افسرانِ شام نہ کھولو ابھی کمر
برپا ہے گو حرم میں عزاداریِ حُسینؑ
لوٹو، جلاؤ خیمۂ زنگاریِ حُسینؑ

پھر تو سمت سمت کے سب اہلِ ستم چلے ۔۔۔ وہ روسیاہ کھول کے کالے علم چلے
کہتے ہوئے یہ سُوئے خیام حرم چلے ۔۔۔ عباسؑ اب کہاں ہیں؟ سوئے خیمہ ہم چلے
سرحد عرب کی ہو گئی خالی حُسینؑ سے
لُوٹیں گے اب حُسینؑ کی سرکار چین سے

فِضّہ کھڑی تھی خیمہ کے دَر پر برہنہ سر ۔۔۔ یورش جو دیکھی فوج کی چلائی پیٹ کر
ہے ہے ڈرو خدا سے بڑھے آتے ہو کدھر ۔۔۔ آگے ہے بارگاہِ شہنشاہ بحر و بر

اس میں مقیم آلِ رسالت پناہ ہے
سمجھو نہ اس کو خیمہ یہ عرشِ الٰہ ہے

مگر وہاں کون تھا جو ان ملاعین کو روکتا۔ عباسؑ دلاور، اکبرؑ و قاسمؑ، عونؑ و محمدؑ امام مظلومؑ سب رخصت ہو چکے تھے۔ ایک ہُو کا عالم تھا۔ چند لاوارث بی بیاں اور کچھ یتیم بچے تھے جو حسرت وہاں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے کہ دفعتہً:

خیمہ میں بھر گئے جو ستم گار جا بجا — اہلِ حرم کو بھول گئی مرگِ اقربا
ماتم کی صف سے چھپنے کو دوڑی برہنہ پا — بانو نے دھیان میں علی اکبرؑ سے یہ کہا

بیٹا کہاں ہو تم! یہ غضب کا مقام ہے
واری تمہارے کنبہ پہ بلوائے عام ہے

انبوہ خاص و عام تھا خیمہ کے درمیاں — لیتا تھا کوئی مسندِ پیغمبرؐ زماں
عابدؑ کا فرش کھینچتا تھا کوئی بدگماں — اِک چھینتا تھا بالی سکینہؑ کی بالیاں

بنتِ حُسینؑ بالوں سے چہرہ چھپاتی تھی
کانوں پہ دونوں ہاتھ دھرے تھرتھراتی تھی

ابھی یہ حشر برپا تھا کہ ناگہاں آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ ظالموں نے خیمہ میں آگ لگادی تھی اور بچے گھبرا گھبرا کر اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ ان ہی بچوں میں اُس نے دیکھا کہ ایک بچی کے کُرتے میں آگ لگی ہُوئی ہے اور وہ میدان میں بھاگتی چلی جارہی ہے۔ اُس کے دونوں کانوں سے خون بہہ رہا ہے اور وہ اپنے مقتول باپ، چچا اور بھائیوں کو بلک بلک کر پکار رہی ہے مگر کوئی نہیں جو اسکی فریاد کو پہنچے۔

عزادارو! جب خیام جل کر خاکستر ہو چکے تو جنابِ زینبؑ و اُمّ کلثومؑ نے بچوں کو یکجا کرنا چاہا مگر اُن میں ایک بچی کا پتہ نہ تھا اور سیّدہ عالمینؑ کی بیٹیاں اُس کو تلاش کرتی پھر رہی تھیں کہ

حضرت زینبؑ کو مقتل کی طرف سے آتا ہُوا ایک شخص نظر آیا۔ چاہا کہ اُس سے پوچھیں مگر نامحرم کے سامنے لب نہ ہل سکے۔ بالآخر بہ مشکل تمام اُس سے دریافت کیا کہ کیا تم نے کسی بچی کو تو اُدھر جاتے نہیں دیکھا ہے۔ اُس نے کہا ہاں۔ ایک لڑکی مقتل کی طرف جارہی تھی۔ آپ اُس سمت بڑھیں تو جناب سکینہؑ کی آواز آرہی تھی "بابا آپ بولتے کیوں نہیں؟ بابا آپ نے جو گوشوارے مجھے پہنائے تھے وہ ظالموں نے چھین لئے۔ میرے کان بھی زخمی ہوگئے۔ سارا کُرتہ خون سے بھر گیا ہے۔ بابا جان! امّاں اور پھوپھی کے سروں سے ظالموں نے چادریں بھی چھین لیں۔ بابا آپ بولتے کیوں نہیں؟ اپنی پیاری سکینہ کو جواب کیوں نہیں دیتے؟ بابا! بابا!"

بی بی زینبؑ جب لاش مطہر کے قریب پہنچیں تو دیکھا کہ جناب سکینہؑ لاش بے سر سے لپٹی ہوئی فریاد کر رہی ہیں۔ حضرت زینبؑ نے تسلیاں اور دلاسے دے کر بچی کو اُٹھایا اور پوچھا کہ بیٹی تمہیں کیسے معلوم ہُوا کہ یہ تمہارے بابا کا لاشہ ہے۔ جناب سکینہؑ نے عرض کی کہ پھوپھی جان جب ظالموں نے میرے کان چیر کر میرے بُندے چھین لئے تو میں درد کے مارے رونے لگی۔ اس پر اُن ظالموں نے میرے رُخساروں پر طمانچے مارے تو میں فریاد کرتی ہوئی بابا، بابا پکارتی، دوڑتی پھر رہی تھی۔ میں نے روتے روتے کہا کہ میرے اچھے بابا اگر میں آپ کو پیاری ہوں تو مجھے اپنے پاس بُلا لو! تو پھوپھی امّاں اس لاشے سے آواز آئی "اِلَیَّ اِلَیَّ یا بُنَیّا" (میری بیٹی میرے پاس آؤ) میں بھاگ کر لپٹ گئی۔ پھوپھی امّاں! اُس وقت سے فریاد کر رہی ہوں مگر بابا اب کچھ نہیں بولتے۔

بی بی سکینہؑ! ہم عزادار آپ کے بابا کے اُس لاشۂ بے سَر پر سلام بھیجتے ہیں جس کا لباس تک لوٹ لیا گیا اور جو خاک و خون میں غلطاں تھا۔

"السلام علیٰ مسلوب الردا۔ والسلام علیٰ مرملن الدماء"

مرثیہ

جناب علی اصغرؑ

اے صاحبو اولاد بھی کیا نعمت رب ہے ‏ ‏ ‏ ‏ سچ ہے کہ یہی زینتِ دنیا کا سبب ہے
اولاد سے محبوب زیادہ کوئی کب ہے ‏ ‏ ‏ ‏ بچوں سے نہ الفت ہو کسی کو تو عجب ہے
بچے پہ تو ہر شخص ترس کھاتا ہے دِل سے
حیوان کے بچے پہ بھی رحم آتا ہے دِل سے

ہوتی نہیں بچوں کی تو تکلیف گوارا ‏ ‏ ‏ ‏ بچہ جو تڑپتا ہو کوئی پیاس کا مارا
ہونٹوں پہ زباں پھیر رہا ہو وہ بچارا ‏ ‏ ‏ ‏ ممکن نہیں ہو صبر کے ساتھ ایسا نظارا
ہر شخص یہ چاہے گا کہ تکلیف مٹا دوں
اس بچے کو جس طرح بھی ہو پانی پلا دوں

بچہ جو ابھی بولنے کے قابل بھی نہ ہوئے ‏ ‏ ‏ ‏ اور اتنی سکت بھی نہ ہو تکلیف میں روئے
وہ پیاس کی شدّت سے بھلا کس طرح سوئے ‏ ‏ ‏ ‏ یہ حال جو دیکھے وہی مُنھ اشکوں سے دھوئے
پھر کیسا قلق ہوئے گا ماں باپ کے جی کو
تڑپاتا ہے جب بچوں کا یہ حال سبھی کو

اور ننھا سا بچہ تو ہے گھر بھر کا کھلونا ‏ ‏ ‏ ‏ اِک مشغلہ ہے باپ کا مادر کا کھلونا
چھوٹی ہو بڑی ہو، وہ ہے خواہر کا کھلونا ‏ ‏ ‏ ‏ گھر بھر میں ہے ہر ایک برادر کا کھلونا
پیارا ہے وہی پیار کا مرکز ہے سبھی کا
یارب نہ مَرے ننھا سا بچہ تو کسی کا

جُھولے میں جھلاتے ہوں جسے، خوں میں نہائے — اور باپ کی آغوش میں جاں اپنی گنوائے
ایسی بھی اذیت کوئی معصوم نہ پائے — یارب! کسی بچے کے کوئی زخم نہ آئے
لگ جائے کہیں تیر جو حلقوم پسر میں
گویا ہُوا پیوست وہ مادر کے جگر میں

کس ماں کو گوارا ہے کوئی یہ تو بتائے — ننھا سا پسر اُس کا کوئی خوں میں نہائے
اور تیر ستم ننھی سی گردن پہ وہ کھائے — تڑپے گی اگر خیال بھی اس بات کا آئے
کس باپ کا دل ہے جو پسند اسکو کریگا
ہے کوئی خوشی سے جو یہ دُکھ درد بھرے گا؟

مشکل ہے مثال ایسی کوئی خلق میں مل جائے — ماں باپ کا دل اسکے تصور سے ہی مل جائے
تسکین کا محور ہی اگر خاک میں رل جائے — ممکن نہیں ماں باپ کے ہاتھوں سے نہ دل جائے
ہمت ہے یہ بس احمدِ مرسلؐ کے پسر میں
اور صبر ہے یہ حیدرِ کرار کے گھر میں

کس واسطے دُکھ آلِ نبیؐ نے کیے منظور — سوچیں تو کُھلیں راز، رہیں ورنہ وہ مستور
ہے کتنی احادیث میں اس بات کا مذکور — جو دل ہو شکستہ رہے حد درجہ وہ رنجور
رحمت کی نظر اس پہ پڑے ربِّ علیؑ کی
اور پائے اماں شانِ کریمی میں خدا کی

فطرت ہے یہ انساں کی بُھلا دیتا ہے غم کو — کوشش یہ ہی کرتا ہے رکھے دور الم کو
یہ ذکر مُسلسل کبھی بھاتا نہیں ہم کو — پر یاد اگر کرتے ہیں اُس ظلم و ستم کو
جو احمدِ مرسلؐ کے گھرانے پہ رہا ہے
دُنیا کے ہر اک ذکر سے مرغوب سوا ہے

ہمدردی کا جذبہ ہے ہر انسان میں مستور　　تکلیف و مصیبت کا کسی کی جو ہو مذکور
سنتا ہے بہت شوق سے اور ہوتا ہے رنجور　　اس جذبہ کی تسکین سے پھر ہوتا ہے مسرور

تکرار جو ہو غم کی اثر دل پہ پڑے گا
فطرت ہے کہ مغموم بُرائی سے بچے گا

اس ذکرِ الم کو جو کوئی دل میں سموئے　　عصیاں کی سیاہی کو یہ غم نفس سے دھوئے
ہو یاد جو پیہم نہ کبھی چین سے سوئے　　اور درد جو دل میں ہو تو غفلت کو بھی کھوئے

ہو دُور جو غفلت تو گناہوں سے بچے گا
اور پھر نہ بُرے کام وہ دُنیا میں کرے گا

اس واسطے شبیرؑ نے بچے کیے قرباں　　حیوان صفت خلق میں جو رہتے ہیں انساں
ہو دُور جو غفلت تو رہیں گے نہ وہ ناداں　　مل جائے گا کچھ شہ کے محبّوں کو بھی ایماں

جب نور ملا چین سے دُنیا میں رہیں گے
پہچان کے ہادی کو زمانے کے مریں گے

فرزندِ پیمبرؑ نے یہ قربانیاں دے کر　　سامانِ غم و رنج مہیا کیا یکسر
ہر عمر کے ہر شخص کو ہو دردِ میسّر　　تا ہو اثرِ درد و اَلم سب کے دلوں پر

بچوں کے لیے غم کا یہ سامان کیا ہے
ششماہہ پسر شاہ نے قربان کیا ہے

لو دیکھو وہ خیمے کی طرف جاتے ہیں شبیرؑ　　اصغرؑ ہیں کہاں آ کے یہ فرماتے ہیں شبیرؑ
پھر آپ ہی جھولے کے قریں آتے ہیں شبیرؑ　　معصوم کو بے ہوش پڑا پاتے ہیں شبیرؑ

بچے کا کسی کے کوئی یہ حال نہ دیکھے
بیٹے کا کوئی باپ یہ احوال نہ دیکھے

خونِ ناحق

کیسے ہو بیاں شہ کو جو حالت نظر آئی　　ہونٹ اُودے تھے زردی رُخِ روشن پہ تھی چھائی
گردن کی رگیں صاف جو دیتی تھیں دکھائی　　ظاہر تھا کہ پانی کی نہیں بوند بھی پائی
تھا حلق جو سوکھا ہوا ہچکی بھی لگی تھی
خاموش کھڑی پاس ہی ماں دیکھ رہی تھی

شبیرؑ نے مُنہ کان سے بیٹے کے لگایا　　سرگوشی میں نہ جانیے کیا اُس کو سُنایا
بس کھول دیا آنکھوں کو اور ہوش میں آیا　　بابا کی طرف ہاتھوں کو پھر اُس نے اُٹھایا
روئے شہِ دلگیر تو تکنے لگا بچّہ
شبیرؑ کی جانب کو ہمکنے لگا بچّہ

میں بھی تو سُنوں ثانیِ زہراؑ نے یہ پوچھا　　بھیّا یہ کہو آپ نے اصغرؑ سے کہا کیا
جو سُنتے ہی ہوش آ گیا اور شوق سے ہُمکا　　شہ بولے بہن میں نے فقط اتنا کہا تھا
اُمّت کو گناہوں سے بچانے نہیں چلتے؟
میدان میں تم خوں میں نہانے نہیں چلتے؟

اب اہلِ عزا سوچیں یہ کیسی ہے قیامت　　شبیرؑ کے بچّوں کو ہماری ہے یہ اُلفت
قربان ہوا واہ رے ششماہے کی ہمّت　　مقصد تھا کہ بچ جائے گناہوں سے یہ اُمّت
ہے شرم کی جا گر نہ گناہوں سے بچیں ہم
اور غرقِ ہوئی و ہوسِ نفس رہیں ہم

ششماہے کو القصہ شہِ دیں نے اُٹھایا　　چھِد جائے گا ناوک سے گلا دھیان جو آیا
حلقوم کے بوسے لئے چھاتی سے لگایا　　اور ہاتھوں پہ لے کر اُسے دامن میں چھپایا
تصویرِ عجب قدر کے قابل نظر آئی
رکھی ہوئی قرآں پہ حمائل نظر آئی

خیمے سے جو نکلے اُسے ہاتھوں پہ اُٹھائے
دامانِ عبا ننھے سے بچّے کو اُڑھائے
اعدا کو ہوا خیال کہ قرآن ہیں لائے
اور صلح کا پیغام ہمیں دینے ہیں آئے
پر اُلٹا جو دامن تو یہ منظر نظر آیا
ششماہہ پسر ہاتھوں کے اُوپر نظر آیا

پھر فوج سے فرمانے لگے شاہِ خوش انجام
تم طالبِ بیعت ہو مجھی سے ہے تمھیں کام
تقصیر ہے میری مجھے پانی کا نہ دو جام
اس بچّے کا پر کیا ہے گنہ اے سپہِ شام
بن پانی کے بچّہ یہ تڑپتا ہے غضب ہے
زندہ ہے یہ اس وقت تلک یہ بھی عجب ہے

طالب نہ صراحی کا ہے نے جام یہ مانگے
خود دیکھ لو غنچے کی طرح منہ کو ہے کھولے
بچا دو فقط چلّو سے کچھ پانی کے قطرے
ہے خشک دہن پیاس سے اور ہونٹ ہیں اُودے
کیا جانیے اُتریں گی بھی بوندیں وہ گلے سے
رہ جائیں گی یا حلق کے اندر ہی اٹک کے

اصغرؑ سے یہ کہنے لگے پھر بادلِ ناکام
آمادۂ بیداد ہے ساری سپہِ شام
تم مانگ چکے پانی بھی خود دیکھ لو انجام
حُجت کا اب لوگوں پہ تم بھی کرو اِتمام
بس سُنتے ہی فرمانِ شہِ عرش نشاں کو
ہونٹوں پہ لگے پھیرنے ننھی سی زباں کو

اس ننھے مجاہد نے کیا رَن میں بڑا کام
ایسا تو کسی فوج سے ممکن نہ ہوا کام
خود شاہ کے خطبوں نے بھی ایسا نہ دیا کام
جو سُوکھی زبانِ علی اصغرؑ نے کیا کام
اس ضرب سے دل فوج کے مجروح ہوئے تھے
اشک آنکھوں میں بھر آئے تھے مُنھ پھیر لئے تھے

خونِ ناحق

دیکھا پسرِ سعد نے جس دم یہ نظارا
اب رونے لگا لشکرِ غدار ہی سارا
سوچا کہ نہ کر جائے کہیں مجھ سے کنارا
پس حُرملہ کو اس طرح ظالم نے پکارا

یہ کیا ہُوا؟ دل نرم ہوا فوج شقی کا؟
کر قطع بہت جلد کلام ابنِ علیؑ کا!

یہ سُنتے ہی ملعون نے اِک تیرِ سہ شعبہ
بے شیر کے سوکھے ہُوئے حلقوم پہ چھوڑا
پھر کیا تھا وہ ننھا سا گلا توڑ کے نِکلا
اور ساتھ ہی زخمی کیا بازو شہِ دیں کا

مُنہ کھل گیا تکلیف سے چونکے علی اصغرؑ
دم دے دیا شبیرؑ کے ہاتھوں پہ تڑپ کر

شبیرؑ نے اس حال میں بیٹے کو جو دیکھا
وہ تیرِ ستم گردنِ معصوم سے کھینچا
اور ہاتھ کو پھر زخم سے گردن کے لگایا
اِک چلّو ہی مشکل سے بھرا خون کا نکلا

فرمانے لگے چہرے پہ اُس خون کو مل کر
آؤں گا اسی طرح جو برپا ہوا محشر

قربان ہوں ہم ہمت و صبر شہِ دیں پر
فریاد نہ کی اور نہ مطلق ہُوئے مضطر
آئے تو یہ آئے کلمے شہ کی زباں پر
صد شکر ہے صد شکر ہے اَے خالقِ اکبرؑ

احسان کا ممنون ہوا ہو گیا شبیرؑ
لے تیری امانت سے ادا ہو گیا شبیرؑ

اے اہلِ عزا پیٹنے رونے کی یہ جا ہے
چھ ماہ کا بے شیر فدا ہم پہ ہُوا ہے
ماں باپ نے بچّے کو جو قربان کیا ہے
عِصیاں سے بچائیں یہ ان کی رضا ہے

تڑپے جو دلِ زار تو غفلت نہ رہے گی
اُمت جو ہو مغموم گناہوں سے بچے گی

اب عرض کرو دل سے کہ اے سیدِ ذی جاہ　　فرزندِ رسولؐ عربی فاطمہؑ کے ماہ
نورِ نظر و قوتِ قلبِ اسَدُ اللہ　　کس درجہ ترے دل میں تھی ہم عاصیوں کی چاہ
امت پہ یہ کتنا بڑا احسان کیا ہے
ننھا سا پسر خلق پہ قربان کیا ہے

اے بانوئے سرورؑ تری ہمت کے میں قرباں　　ممکن نہیں ایثار کرے ایسا کوئی ماں
صرف اس لئے بچوں کو وہ اپنے کرے قرباں　　خلقت کے لیے تا کہ ہو کچھ درد کا ساماں
کیوں کر نہ تعجب ہو کلیجہ ہے یہ کس کا
بچہ وہ دیا دودھ بھی چھوٹا تھا نہ جس کا

ہاں بھائیو ہم لوگوں پہ جاں بچے نے واری　　اس پر بھی کوئی کیفیتِ غم نہیں طاری
نے قلب ہی تڑپا نہ ہوئے اشک ہی جاری　　بولو تو کوئی حد بھی ہے غفلت کی ہماری
شبیرؑ کا ششماہہ پسر تیر ستم کھائے
اُمت کا ہو یہ حال کہ اس پر بھی نہ غم کھائے

اے ننھے مجاہد علی اصغرؑ علی اصغرؑ　　یہ ظلم ہوں تم پر علی اصغرؑ علی اصغرؑ
تم ہم پہ ہو قرباں علی اصغرؑ علی اصغرؑ　　ہم کیوں نہ ہوں مضطر علی اصغرؑ علی اصغرؑ
بچے تھے پہ ہمت تو جوانوں سے سوا کی
خود دوڑ کے جا لپٹے جو چھاتی سے قضا کی

مادر سے بچھڑنا تمھیں کیونکر ہوا آساں　　تنہائی تھی، تاریک تھا، سُنسان تھا میداں
ماں یاد نہ آئی تمھیں اے اصغرؑ ذی شان　　آرام سے جا سوئے بلا خوف میں قرباں
اُمت کے لیے ظلم و ستم سہہ گئے اصغرؑ
رونے کے لیے خلق میں ہم رہ گئے اصغرؑ

ننھے سے مجاہد تری ہمت کے میں صدقے — اس بھوک کے اور پیاس کی شدت کے میں صدقے
گردن کے فدا ننھی سی میت کے میں صدقے — میرے لیے دی جان سخاوت کے میں صدقے

ننھا سا گلا کاٹ کے لے جائیں جو ظالم
تڑپا کرے کیوں کر نہ ادیم آپ کا خادم



مرثیہ

حضرت علی اکبرؑ

رزند کا ماتم بھی زمانہ میں غضب ہے　　نشتر کی طرح چبھتا ہے دل میں وہ تعب ہے

ر صاحب دل کے یہ تڑپنے کا سبب ہے　　اس پر بھی نہ تڑپے جو، کوئی بات عجب ہے

نزع میں کوئی باپ نہ فرزند کو دیکھے

زخمی ہوئے برچھی سے نہ دلبند کو دیکھے

اولاد تو اِنساں کے کلیجے کا ہے ٹکڑا　　غم سب کا ہی تڑپاتا ہے بیٹی ہو کہ بیٹا

ہے قلب پہ ماں باپ کے اِک تیر سا لگتا　　جیسے کوئی اندر سے کلیجہ ہو مسلتا

ہو جاتی ہے تاریک یہ دُنیا ہی نظر میں

اِک میخ گڑی ہوتی ہے محسوس کمر میں

تلایئے کس طرح سے اُس غم کا بیاں ہو　　کس طرح کسی دل پہ حقیقت یہ عیاں ہو

س وقت نگاہوں میں یہ محشر کا سماں ہو　　فرزند وہ دم توڑ رہا ہو جو جواں ہو

اس درد کو پوچھے کوئی ماں باپ کے جی سے

ملتی نہیں تسکیں انہیں دُنیا میں کسی سے

وں لگتا ہے جیسے کہ ہو اک زخم سا دل پر　　اور سینے میں دل ایسے کہ مذبوح کبوتر

تا نہیں نالوں کے سوا کچھ بھی لبوں پر　　ہو خاک سکوں چین تو لے جاتا ہے دلبر

کیونکر نہ بھلا سینے میں دل باپ کا تڑپے

فطرت ہے کہ وہ ماہیِ بے آب سا تڑپے

فطری ہے کہ فرزندِ جواں ہوتا ہے پیارا — خود سوچ کے انصاف سے بتلاؤ خدارا
کرنے لگے دُنیا سے اگر وہ ہی کنارا — ہے کوئی جسے بیٹے کا مرنا ہو گوارا؟
ہر باپ یہی چاہے گا میں اس کی بلا لوں
صدقے کروں ہر چیز مگر اس کو بچاؤں

اب غور کرو عقل نہیں کرتی ہے یاری — شبیرؑ کو کس درجہ ہے مخلوق دلاری
اس کا یہی منشا ہے کہ بخشش ہو ہماری — اولاد نہیں اُمتِ جد سے اسے پیاری
قربان کروں بیٹے کو یہ دل میں ٹھنی ہے
بیٹا بھی وہ بیٹا کہ جو ہمشکلِ نبیؐ ہے

فرزندِ پیمبرؐ کی یہ اُمت پہ ہے رحمت — بیٹے سے کہیں زیادہ اُسے ہم سے ہے اُلفت
تیغوں میں جواں بیٹے کو بھیجے، ہے یہ نیت — اُمت کے لئے اس کو گوارا ہے اذیت
محبوب ہمارے لئے ہر رنج و تعب ہے
پیارا نہ ہو اس پر بھی ہمیں وہ تو غضب ہے

ہاں اہلِ عزا سوچو کرو غور خدارا — شہ نے کیا فرزند کا جو داغ گوارا
کس طرح ہمارا ہے وہ بخشش کا سہارا؟ — جب ہم نے کیا ہو نہ گناہوں سے کنارا
بوجھ اپنے گناہوں کا نہ اکبرؑ پہ پڑے گا
جیسا بھی کسی نے کیا وہ آپ بھرے گا

ہاں بھائیو یہ بات بڑی غور طلب ہے — غفلت ہی تو اِنساں کے گناہوں کا سبب ہے
بڑھ جاتی ہے کچھ اور بھی عصیاں سے غضب ہے — اور صرف یہی دوریِ رحمت کا سبب ہے
کم ہوتی ہے گر دَرد و الم نفس کو پہنچے
بس اس کی دوا یہ ہے کہ غم نفس کو پہنچے

بٹ جاتا ہے جذبات کا سب جوش الم سے غفلت میں بھی آجاتا ہے کچھ ہوش الم سے
ہوتا ہے گنہگار سبکدوش الم سے شیطان بھی ہوجاتا ہے روپوش الم سے
جذبات ہی دُنیا میں گناہوں کا سبب ہیں
جذبات کے مصلح تو فقط رنج و تعب ہیں

ہوتی ہے جوانی کی تو غفلت ستم آرا سننا نہیں ہوتا ہے نصیحت کا گوارا
پر ذکر جوانوں کا اُسے ہوتا ہے پیارا قربانی و ایثار کا گر ذکر ہو سارا
پہنچے اَلم و دَرد تو کچھ ہوش میں آئے
فطری ہے کہ غم اس کو گناہوں سے بچائے

قربانیِ اکبرؑ کی اگر دل میں رہے یاد ممکن نہیں اِس ظلم و ستم پر نہ ہو فریاد
اکبرؑ کی جوانی ہو مرے واسطے برباد اس پر بھی نہ ہو مجھ کو اَلم اور ہوں دلشاد
ہمشکلِ نبیؐ میرے لئے تیغ و سناں کھائے
صد حیف کہ مجھ سے نہ بُرائی سے بچا جائے

ہاں اہلِ عزا دیکھو کہ کیا کرتے ہیں شبیرؑ اکبرؑ سا پسر ہم پہ فدا کرتے ہیں شبیرؑ
پہلو سے کلیجے کو جُدا کرتے ہیں شبیرؑ مَرتا ہے پسر شکرِ خدا کرتے ہیں شبیرؑ
تنہائی ہے غربت ہے برادر کا اَلم ہے
اِس وقت میں بیٹا بھی جُدا ہو تو ستم ہے

کس حال میں خاموش کھڑے ہیں شہِ دلگیر ہیں بیچ میں خود چار طرف لشکرِ بے پیر
اک سر ہے ہزاروں ہیں مگر خنجر و شمشیر دلبند بہن کے ہیں نہ ہے بھائی کی تصویر
ہے فوج نہ لشکر نہ علمدارؑ ہے باقی
بس اصغرؑ و اکبرؑ ہیں یا بیمار ہے باقی

جو کچھ بھی ہے لشکر کی عجب شان ہے واللہ — وہ دُھوپ میں زخمی ہیں کھڑے ابنِ یداللہ

اور باپ کے پیچھے ہیں فقط اکبرِؑ ذی جاہ — یا چار طرف خون میں غلطاں شہدا، آہ!

میدان میں سردار ہے اور ایک سپاہی

ہیبت سی مگر پھر بھی لعینوں پہ ہے چھائی

قربان ہوں میں ہمتِ شبیرؑ پہ یارو — فرزند سے فرماتے ہیں لو جاؤ سدھارو

اُمت کی بگڑتی ہوئی تقدیر سنوارو — اور اس کی ہدایت کے لئے جان کو وارو

میدان میں اب تیغ و سناں کھانے کو جاؤ

سامانِ شفاعت کے لئے خوں میں نہاؤ

یہ سُنتے ہی اِک بار بڑھے اکبرؑ ذی جاہ — ہاتھوں کو اُٹھا کر یہ دُعا کرنے لگے شاہ

اس قوم پہ تو رہیو گواہ اے مرے اللہ — اب جاتا ہے مرنے کو وہ بیٹا پئے جنگاہ

حد درجہ مشابہ ہے جو خلقت میں نبیؐ سے

رفتار کہ گفتار کہ کردار سبھی سے

اس بات سے مقصد تھا کہ ہو خلق پہ ظاہر — آلِ نبویؐ کرتے ہیں مخلوق کو طاہر

ہر رنج و بلا میں وہ رہا کرتے ہیں شاکر — دُشمن سے بھی میلی وہ نہیں رکھتے ہیں خاطر

کرتے رہے اعدا کو یہی شاہ نصیحت

بچ جاؤ ہلاکت سے کہ اب بھی ہے غنیمت

اس فوج میں سب جانتے تھے حق کے نبیؐ کو — بعضوں نے تو دیکھا تھا رسولِؐ عربی کو

اس واسطے بھیجا وہاں ہمشکلِ نبیؐ کو — دیکھیں گے جو تصویر رسولِؐ مدنی کو

ممکن ہے اسے دیکھ کے دل کوئی پگھل جائے

اور بندۂ خالق کوئی دوزخ سے نکل جائے

اس واسطے کہتے ہیں کہ اے خالقِ اکبرؑ　　　　ہر طرح سے سمجھا چکا میں ان کو برابر
گو کر چکے ہیں قتل یہ سب میرے برادر　　　　پر اب بھی سمجھ جائے کوئی ان میں تو بہتر
بندے ہیں ترے تو نے کیا ہے انہیں پیدا
شبیرؑ ہے یارب تری مخلوق پہ شیدا

ہر بات کا تو جاننے والا ہے الٰہی　　　　سب کٹ گیا لشکر مرا کوئی نہیں باقی
اب کون ہے بھیجوں جسے جُز اکبرِؑ غازی　　　　سرتا بقدم شکل ہے جو تیرے نبیؐ کی
اس کی بھی اثر گر نہ کرے صورت وتقریر
اُمت کیلیے اس کے سوا کیا کرے شبیرؑ

اس طرح بیاں کرتے ہیں اب راویٔ اخبار　　　　میدان میں پہنچے جو علی اکبرؑ جرار
مبہوت ہوئے دیکھ کے صورت کو ستمگار　　　　بعضوں نے کہا آگئے لو احمدؐ مختار
ہو کر متبسم کہا دل بندِ نبیؐ ہوں
میں ایک علیؑ ابنِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہوں

دعوٰی ہے تمہارا کہ مُسلمان ہو سارے　　　　کہتے ہو نبیؐ تم بھی تو نانا کو ہمارے!
ہوں سامنے اُس شکل میں موجود تمہارے　　　　لو غور سے دیکھو مجھے اور کر لو نظارے!
عقبیٰ میں ہے گر آس رسولؐ عربی سے!
برتاؤ مُناسب کرو ہمشکلِ نبیؐ سے!

ہر طرح سے سمجھاتے رہے اکبرؑ ذیجاہ　　　　مانے نہ کسی طور مگر دشمنِ گمراہ
کٹی کئی جانب سے صفِ لشکرِ بدخواہ　　　　برسانے لگے تیر وسناں گھیر کے ہر راہ
اکبرؑ نے بھی تلوار کچھ اس شان سے کھینچی
اعدا کے لئے گویا اجل میاں سے کھینچی

ہر دیکھنے والے کو ہے اس بات کا اقرار
پیاسے تھے کئی روز کے گو اکبرؑ جرار
اس پر بھی کیا سینکڑوں اشرار کو فی النار
کہتے ہیں کہ مارے گئے کل پانچسو اسوار
تھی بھوک بھی اور پیاس بھی اور خوں بھی بہا تھا
پر لشکرِ اعدا کا بُرا حال کیا تھا

مصروف وغا تھے کہ سناں سینے پہ کھائی
جو چیر کے سینے کو کلیجے میں دَر آئی
اور جونہی رُکا ہاتھ، سپاہ ٹوٹ کے آئی
پھر کیا تھا گئی لٹنے شہِ دیں کی کمائی
گھوڑے سے گرے، گرتے ہی بابا کو پکارا
ہے وقت مدد آیئے! اکبرؑ گیا مارا

سنتے ہی صدا رن کو چلے سیّدِ ابرار
پیدل تھا جلو میں نہ کوئی ساتھ تھا اسوار
ہمدم تھا کوئی اور نہ کوئی مونس و غمخوار
اس طرح سے پہنچے پسرِ حیدرِ کرار
جس وقت کہ مقتل میں شہِ بحر و بر آئے
ریتی پہ تڑپتے ہوئے اکبرؑ نظر آئے

تھا خاک میں اور خون میں غلطاں وہ دُلارا
بہتا تھا لہو، زخموں سے تن چور تھا سارا
ٹوٹا تھا پڑا خاک پہ پیری کا سہارا
کس دل سے کوئی باپ کریگا یہ نظارا؟
لیکن کوئی نالہ نہ بکا کرتے ہیں مولاؑ
مرتا ہے پسر شکر خدا کرتے ہیں مولاؑ

وہ غور کرے جسکو شہِ دیں کی ہو کچھ چاہ
کیوں شکر ادا کر کے یہ فرمانے لگے شاہ
اے راحتِ جاں نورِ نظر اکبرؑ ذیجاہ
ہے بعد ترے خاک ہی اس دہر پہ واللہ
مقصود تھا کیا اس سے حُسین ابنِ علیؑ کا
کیا بات یہ کہتا تھا جگر بند نبیؐ کا

مطلب یہ ہے اکبرؑ کہ تھا ہمشکلِ پیمبرؐ — قربان کیا اس کو بھی اُمت ہی کے اوپر
اب جن کے دلوں میں ہے ولائے شہِ صفدر — بن جائیں گے سُن کرا سے وہ درد کے پیکر

ہر زینتِ دُنیا کہ جو لے جائے سَقر میں
ہو جائے گی بس خاک ہی ان سب کی نظر میں

اے اہلِ عزا غور کرو کچھ تو خُدارا — شبیرؑ نے بیٹا کیا ہم سے نہ پیارا
چھوا دیا پیری کا جو تھا اپنی سہارا — افسوس ہے گر قلب نہ ٹکڑے ہو ہمارا

ایثار ہمارے لئے کیا کر گئے شبیرؑ
سب بھائیوں بیٹوں کو فدا کر گئے شبیرؑ

فرزندِ رسولؐ عربی اے شہِ ذیشاں — اِس نظرِ کرم پر تری، صدقے ہو مری جاں
کیا خوب ہماری کیا بخشش کا یہ ساماں — ہم لوگوں کی خاطر ہو جواں بیٹا بھی قرباں

احمدؐ کے نواسے تری اُلفت کے میں صدقے
اے بھوکے پیاسے تری اُلفت کے میں صدقے

میرے لئے کیا رنج سہے اے شہِ والا — تُف ہے جو نہ ہو میرا کلیجہ تہ و بالا
میرے لئے تاریک ہو گھر بھر کا اُجالا — ہو چاند ترا خاک پہ اور خون کا ہالا

ہمشکلِ نبیؐ میرے لئے خاک پہ تڑپے
کیوں قلب نہ ابنِ شہِ لولاک پہ تڑپے

میرے علی اکبرؑ مرے ذی شاں علی اکبرؑ — نازوں کے پلے درد کے درماں علی اکبرؑ
تم نے نہ کیا ماں کا بھی کچھ دھیاں علی اکبرؑ — اور ہو گئے میرے لئے قرباں علی اکبرؑ

رحمت کا نزول اس پہ ہو کیا دل تھا وہ ماں کا
تم جیسا پسر جس نے کہ قربان کیا تھا

اے بانوئے ناشاد عجب لال گنوایا سہرا نہ بندھا بیاہ بھی اس کا نہ رچایا
دھیان اسکی جوانی کا نہ مطلق تمہیں آیا میرے لئے یہ داغ کلیجے پہ اُٹھایا
ایسا نہ جگر ہو گا زمانے میں کسی کا
جو اپنا پسر اوروں پہ قربان کرے گا

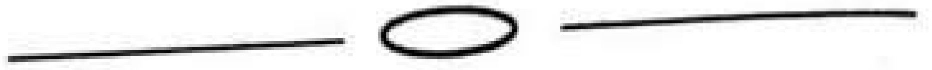
بی بی یہ ادیم آپکی اُلفت کا ہے طالب اس پر کوئی جذبہ کوئی خواہش نہ ہو غالب
اکبرؑ کے تصدق میں ملیں اس کے مطالب دل اس کا سدا تیری محبت کا ہو طالب
ہمشکل پیمبرؐ کی سدا یاد میں تڑپے
ہر صبح و مسا نالہ و فریاد میں تڑپے

ہاں بھائیو اب مادرِ اکبرؑ کو کرو یاد اس بی بی کی خدمت میں کرو نالہ و فریاد
اے کوکھ جلی دردؔ بھری بانوئے ناشاد اللہ رکھے خلد میں گھر کو ترے آباد
گو حشر تلک آپ کے فرزند پہ روئیں
ممکن نہیں احساں سے سبکدوش ہم ہوئیں

واللہ تھا کس درجہ تمہیں دھیان ہمارا قربان وہ بیٹا کیا جو سب کو تھا پیارا
بن بیاہا گیا خلق سے دلبند تمہارا کس چودھویں کے چاند کو ہم لوگوں پہ وارا
یہ وہ مہ کامل تھا نظر جس پہ نہ ٹھہرے
سر شرم سے یوسف کا بھی جھک جائے جو دیکھے

تم کو نہ ہوا اس کی جوانی کا بھی کچھ دھیان ہم لوگوں پہ قرباں کیا اپنا جگر و جان
سہرا نہ بندھا آہ نہ نکلا کوئی ارمان افسوس کہ سرسبز چمن ہو گیا ویران
ترسا کیا پانی کو جگر بند تمہارا
تلواروں سے ٹکڑے ہوا فرزند تمہارا

زخمی ہے پڑا خاک پہ زہراؑ کا وہ پوتا
بی بی! کہو کچھ درد تو دل میں نہیں ہوتا؟
اے کاش کہ میں خدمتِ شبیرؑ میں ہوتا
اُس شیر جواں کیلئے میں جان کو کھوتا
برچھی جو لگاتا کوئی ہمشکلِ نبیؐ کو
میں سینے پہ خود روکتا نیزے کی انی کو



مرثیہ

یا حسینؑ

حسینؑ دینِ الٰہی کا پاسباں تو ہے
حسینؑ باعثِ احیاء انس و جاں تو ہے
حسینؑ کلمۂ ایجادِ کُن فکاں تو ہے
حسینؑ خالقِ خلقت کا ہمزباں تو ہے

کیا ہے شرک کی بنیاد کو تہ و بالا
حسینؑ واہ عجب کام تونے کر ڈالا

چُھری کے نیچے نبوت کی جو شہادت دی
حسینؑ تو نے بنایا ہے انبیاء کو نبی
جلی ہوئے ترے دم سے تمام رازِ خفی
حسینؑ تونے دکھائی ہے شان وحدت کی

خدا کا کام جو بندوں میں کر دکھایا ہے
حسینؑ تو نے خدا کو خدا بنایا ہے

ہر اک کا مونس و ہمدرد و غمگسار حسینؑ
جہاں میں ہے یدِ قدرت کا شاہکار حسینؑ
جہاں کہاں کا، ہے قدرت سے ہمکنار حسینؑ
جو ہے حجاب میں کوئی تو آشکار حسینؑ

اُسے شہود کی عالم میں کیا ضرورت ہے
کہ جب حسینؑ سی موجود اس کی آیت ہے

حسینؑ تیرے زمانے میں ہیں نرالے طور
کہ آج تک بھی ہے جاری تری شراب کا دور
صفات وذات میں تیری کیا ہے جب سے غور
یہ خوف ہے کہ نہ کہنے لگوں کہیں کچھ اور

مگر یقین ہے تجھ پر خدا کا سایہ ہے
اُسی میں خاک پہ سو کر ہمیں جگایا ہے

حسینؑ! ہم نے نہ جانا کہ تجھ کو کیا جانا — کبھی کمال کا رب بندۂ خدا جانا
بڑھی کچھ اور بھی حیرت تو جانے کیا جانا — مگر کمال ہے تیرا نہ مدّعا جانا

ترے اُمور نے حیرت میں سب کو ڈالا ہے
تجھے سمجھنے کا اِک وقت آنے والا ہے

تو ہی ہے کلمۂ توحید لاالٰہ کی جاں — تو ہی ہے صبر کا رب تو ہی اشک و آہ کی جاں
تو ہی فلک کی، ستاروں کی، مہر و ماہ کی جاں — غلط نہیں جو کہوں تُو تو ہے اِلٰہ کی جاں

جو کوئی راہ میں تیری قدم بڑھاتا ہے
قسم خدا کی وہ بندہ خدا کو پاتا ہے

خدا کی شان یہ مُنہ اور اس سے کیسی بات — کہاں یہ جاہلِ مطلق، کہاں حسینؑ کی ذات
سمجھ میں آنے کے قابل نہیں ہیں جسکی صفات — خدا سے مل گیا ایسا کہ ایک ہوگئی بات

ہمارے کہنے کو قرآن نام ہے گویا
مگر حسینؑ خدا کا کلام ہے گویا

حسینؑ تُو رہ مخلوق کا فدائی ہے — حسینؑ تیرا ہی صدقہ یہ سب خدائی ہے
تمام گھر کی بضاعت جو یوں لٹائی ہے — خدا کی راہ عجب طرح سے دکھائی ہے

یہ کہتے ہیں کہ خدائی کو لے لیا تُو نے
خدائی کیسی، خدا ہی کو لے لیا تُو نے

ہوا کسی سے نہ جو تُو نے کر کے دکھلایا — خبر ہوئی نہ یہ مطلق تُو کیا ہے کر پایا
عجب طریقہ سے خلقت کے دل کو بہلایا — خبر کسی کو نہ تھی تو کہاں کہاں آیا

کسی رسول نبیؐ سے نہ ایسا کام ہُوا
نہ اس طرح سے خدا کا بلند نام ہُوا

مرثیہ یاحسینؑ

تمہارے جدِ معظم رسولؐ داور نے　　تمہارے والدِ عالی جناب حیدرؑ نے
تمہاری سیّدۂ عالمین مادر نے　　حسینؑ تم نے بھی اور نیز سبطِ اکبرؑ نے

کسی سے جو نہ ہو وہ صبر اختیار کیا
قسم خدا کی بڑا جبر اختیار کیا

بھلا تمہاری سیاست کو کون سمجھے گا　　سوائے اُس کے جو خالق کا لون سمجھے گا
تمہارے کام محمدؑ کہ عونؑ سمجھے گا　　بریر و وہب وغیرہ کہ جون سمجھے گا

عجیب سوز ہے سینہ میں بھر نہیں سکتے
تمہارے راز کو افشا بھی کر نہیں سکتے

یہ کیسے ماہرِ فطرت خدا کے پیارے ہیں　　یہی سماءِ ہدایت کے ماہ پارے ہیں
جو آفتاب کو دیں نور وہ ستارے ہیں　　خدا کی شان کہ یہ پیشوا ہمارے ہیں

جو اُن کی راہ پہ ہم لوگ چل نہیں سکتے
تو کیا فراق میں بھی اُن کے جل نہیں سکتے

انہیں کا مکر ہے جس کو کہا ہے مکر اللہ　　دکھاتے کچھ ہیں پہ کرتے ہیں اپنی خاطر خواہ
کسی کی راز پہ اُن کے کبھی گئی نہ نگاہ　　یہ چاہ تھی کہ ملے خلق کو بدی سے پناہ

یہ دوسروں کو حکومت جو دے کے بیٹھ رہے
خدا کا نام ہی بس گھر میں لے کے بیٹھ رہے

یہ چاہتے تھے کہ دل سب کے درد سے بھر دیں　　اسی طرح سے مٹا دیں گناہ کی فردیں
خدا سے خلق کو نزدیک اِس طرح کر دیں　　خدا کی راہ میں اِس واسطے لٹا گھر دیں

کہ دردِ اُمتِ عاصی کے دل میں پیدا ہو
قیامِ درد سے نورِ خفی ہویدا ہو

نوٹ:۔ اس کے بعد انیس (۱۹) بند اور ہیں جن میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ رسولؐ کی بعثت کا مقصد قرآن نے یہ بتلایا ہے کہ نفسِ انسان کا تزکیہ کرے۔ تزکیہ سے کیا مراد ہے۔ لا اِلٰہ کا اصل مطلب کیا ہے۔ تمسک بالثقلین سے کیا مراد ہے۔ کشتیِ نجات میں سواری کی علامت کیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی شرح سے جو واضح ہوتا ہے۔ اس کو دیکھنے والا یہی کہے گا۔

تمام صاف ہوا غور کیجئے اب کیا　　　　کہ لا الٰہ سے ہے اصل مقصدِ رب کیا
اور اصل دینِ حقیقی و اصل مذہب کیا　　　　محبت اور مودّت کا خاص مطلب کیا
ہر ایک بات کا مطلب ہے نفس کی اصلاح
ہیں لفظ اور مگر سب ہے نفس کی اصلاح

اگر ہو نفس کی اصلاح تو فساد نہ ہو　　　　کسی کے گھر میں بھی جھگڑا نہ ہو فساد نہ ہو
رہیں امان میں سب لوگ جو فساد نہ ہو　　　　ہر ایک چاہتا ہے امن ہو فساد نہ ہو
کسی طریقہ سے عالم میں چین ہو جائے
یہ تب ہی ہوگا کہ سب کا حسینؑ ہو جائے

فقط عقیدہ نہیں بلکہ ہے یہ فطری بات　　　　ہمیشہ نفس کو ملتی ہیں غم سے نیک صفات
ملے جو درد تو رہتی ہے ٹیس اک دن رات　　　　قیام ہو تو مٹے جوشِ شہوت و جذبات
یہی وہ چیز ہے دل جس سے صاف ہوتے ہیں
ارے گناہ اسی سے معاف ہوتے ہیں

مسلمہ ہے اسے جانتی ہے سب دنیا　　　　کہ صرف درد ہی اصلاحِ نفس کی ہے دوا
خدا کے واسطے کوئی بتائے تو اتنا　　　　کہ ہے حسینؑ کا سا کوئی غم کا افسانہ
جہانِ درد فقط گر کہوں تو بے جا ہے
کہوں حسینؑ کو ربِ الم تو زیبا ہے

ہر ایک شخص پہ یکساں ہے اس کا فیضِ عمیم کچھ امتیاز نہیں کوئی عبدِ ربِ رحیم
جب اسکی یاد کرے غم سے اسکا دل ہو دونیم ہے اس مقام پہ موزوں بہت یہ بیت تمیم

نبیؐ کے لاڈلے محسن جو دینِ رب کے ہیں
نہیں کسی کے وہ مخصوص بلکہ سب کے ہیں

جو اسکے ہوں تو رہیں لوگ بن کے سب بھائی تمام ہندو و مسلم یہود و عیسائی
حسینؑ سے جو کسی نے بھی لو لگا پائی تو پوری ہوگئی وہ چاہ دل میں جو آئی

خدا کا ہو گا جو طالب خدا کو پائے گا
غرض حسینؑ سے مانگے گا جو وہ پائے گا

حسینؑ واہ ترے دل میں کیا سمائی ہے کمائی احمدؐ و زہراؑ کی سب لٹائی ہے
یہ خاک و خون سے اکسیر وہ بنائی ہے بشر کے واسطے ہر درد کی دوائی ہے

کہ ایک قطرہ اگر حلق سے اتر جائے
ہوئی سے باز رہے اور دل سے شر جائے

حسینؑ اے جگر و جانِ سیّدؐ الثقلین علیؑ کے لاڈلے اے سیّدہؑ کے نورالعین
غریب و بیکس و بے آشنا امام حسینؑ ہمارے واسطے کیسا رہا ہے تو بے چین

ہمارے واسطے تو نے یہ دکھ اٹھائے ہیں
تو ہم بھی رونے کو مجلس میں تیری آئے ہیں

حسینؑ تو رہے پیاسا، میں لذتیں چکھوں ترا ہو خاک پہ لاشہ، میں گلبدن پہنوں
خیام تیرے جلیں، میں محل میں سکھ پاؤں ترا تو مال لٹے، مال پر میں فخر کروں

ہزار حیف کہ پامال تیری میت ہو
جہاں میں کھیل تماشوں سے ہم کو رغبت ہو

خبر نہیں تجھے مولاؑ نے گھر لُٹا ڈالا　　حسینؑ نے پسِ گردن سے سر کٹا ڈالا
...ترے امامؑ کے خیموں کو بھی جلا ڈالا　　تری خوزادیوں کو بے ردا بنا ڈالا

خبر نہیں تجھے تقدیر تیری سوتی ہے
ترے نبیؐ کی نواسی اسیر ہوتی ہے

...دلِ عزیز یتیموں کی سُن ذرا فریاد　　تری خوزادیوں پر رَن میں ہوگئی بیداد
...نہیں ہے سر پہ جو وارث کوئی پئے امداد　　رِدائیں چھین رہے ہیں سروں سے وہ جلاد

تو محوِ خواب ہے اور واں خیام جلتے ہیں
ترے نبیؐ کے حرم بے ردا نکلتے ہیں

...رسولؐ زادیاں پھرتی ہیں آہ ننگے سر　　عدو سے بھاگتی پھرتی ہیں ہر طرف ڈر کر
...دلا ذرا تو اثر لے اُٹھے گا کب سو کر　　تری خوزادیوں کا لٹ گیا زر و زیور

ترے اِمامؑ کی پیاری کے دُر اتارے ہیں
طمانچے شمر نے بچی کے رُخ پہ مارے ہیں

...ذرا تو ہوش میں آ دیکھ کیا غضب آیا　　ارے یہ شمرِ لعیں کیسی رسیاں لایا
...لعیں نے طوق و سلاسل یہ کیوں ہے منگوایا　　ترے حسینؑ کے پیارے نے پیر پھیلایا

دلا تجھے یہ ہوا کیا ہے اب بھی سوتا ہے
ترے اَمیر کا پوتا اَسیر ہوتا ہے

...پسند زینتِ دنیا جو تجھ کو آئی ہے　　خبر بھی ہے کہ لٹی فاطمہؑ کی جائی ہے
...کمائی اپنی ہمارے لئے لٹائی ہے　　کہیں تو خاک پہ بیٹا کہیں پہ بھائی ہے

دہائی دیتی ہے فریاد لب پہ جاری ہے
تری خوزادی کے سر سے ردا اُتاری ہے

خونِ ناحق

ترے رسولؐ کی بیٹیؑ کا گھر ہوا خالی
تجھے پسند ہیں آرام و عیش و خوشحالی
ہمارے سیدؑ و آقا کی گود کی پالی
عجیب حال میں ہے آہ ننھی سی بالی

لہو ٹپکتا ہے کانوں سے دُر اتارے ہیں
بلا قصور طمانچے بھی اس کو مارے ہیں

خبر نہیں تمہیں اے صاحبو کرو فریاد
تمہاری بی بیؑ کا سارا چمن ہوا برباد
رکھو ذرا تو دلوں میں اس اُجڑے گھر کی یاد
تمہارے واسطے اُن پر ہوئی ہے کیا بیداد

یہ جی تمہارا مرے بی بیؑ جی نے چاہا ہے
تمہارے واسطے گھر اپنا سب لٹایا ہے

ذرا کہو تو کبھی اِس سے اے دلِ ناداں
تو اپنی چاہ میں کیوں بھول جاتا ہے وہ سماں
کہ تیری زینبؑ و کلثومؑ کے ہیں اشک رواں
بلا کجاوے کے اونٹوں پہ ہیں وہ سر عریاں

وہ دیکھ آہ وہ بازارِ شام میں آئیں
ارے غضب ہوا دربارِ عام میں آئیں

عجب بلا میں ہے مظلومۂ جہاں زینبؑ
علیؑ کی لاڈلی مخدومۂ زماں زینبؑ
ہے آج خاک بسر عرش آستاں زینبؑ
کہاں وہ شام کا بازار اور کہاں زینبؑ

یہ کیا ستم ہے کہ جو بی بیؑ جی کی جائی ہے
غضب ہے سر کھلے دربار میں وہ آئی ہے

ادیمؔ وقتِ اجابت ہے کر خدا سے دُعا
الٰہی بہرِ گلوئے شہید کرب و بلا
الٰہی ازپئے بازوئے زینبؑ کبریٰؑ
الٰہی بہرِ سرِ پاک ثانیٔ زہراؑ

ہمیں بھی تزکیۂ باطنی عطا کر دے
ہمیں بھی بندگیٔ نفس سے رہا کر دے

الٰہی سارا یہ شر و فساد مٹ جائے   بنائے شر جو ہو دل میں مراد مٹ جائے
چڑھا ہوا ہے جو دل پہ عناد مٹ جائے   ہمارے قلب سے دنیا کی یاد مٹ جائے
رہے حسینؑ کی تصویر صفحۂ دل پہ
وہی نتیجہ میں پہنچائے ہم کو منزل پہ



زیارتِ ششم امیرالمومنینؑ

اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یَا اَبَاالْاَئِمَّةِ وَمَعْدِنَ النُّبُوَّةِ وَالْمَخْصُوْصَ بِالْاُخُوَّةِ اَلسَّلامُ عَلٰی یَعْسُوْبِ الدِّیْنِ وَالْاِیْمَانِ وَکَلِمَةِ الرَّحْمٰنِ وَکَهْفِ الْاَنَامِ اَلسَّلامُ عَلٰی مِیْزَانِ الْاَعْمَالِ وَمُقَلِّبِ الْاَحْوَالِ وَسَیْفِ ذِی الْجَلَالِ اَلسَّلامُ عَلٰی صَالِحِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَوَارِثِ عِلْمِ النَّبِیِّیْنَ وَالْحَاکِمِ یَوْمَ الدِّیْنِ اَلسَّلامُ عَلٰی شَجَرَةِ التَّقْوٰی وَسَامِعِ السِّرِّ وَالنَّجْوٰی وَمُنْزِلِ الْمَنِّ وَالسَّلْوٰی اَلسَّلامُ عَلٰی حُجَّةِ اللّٰهِ الْبَالِغَةِ وَنِعْمَتِهِ السَّابِغَةِ وَنِقْمَتِهِ الدَّامِغَةِ اَلسَّلامُ عَلٰی اِسْرَائِیْلَ الْاُمَّةِ وَبَابِ الرَّحْمَةِ وَاَبِی الْاَئِمَّةِ اَلسَّلامُ عَلٰی صِرَاطِ اللّٰهِ الْوَاضِحِ وَالنَّجْمِ اللَّائِحِ وَالْاِمَامِ النَّاصِحِ وَالزِّنَادِ الْقَادِحِ اَلسَّلامُ عَلٰی وَجْهِ اللّٰهِ الَّذِیْ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ اٰمَنَ اَلسَّلامُ عَلٰی نَفْسِ اللّٰهِ الْقَائِمَةِ فِیْهِ بِالسُّنَنِ وَعَیْنِهِ الَّتِیْ مَنْ عَرَفَهَا یَطْمَئِنُّ اَلسَّلامُ عَلٰی اُذُنِ اللّٰهِ الْوَاعِیَةِ فِی الْاُمَمِ وَیَدِهِ الْبَاسِطَةِ بِالنِّعَمِ وَجَنْبِهِ الَّذِیْ مَنْ فَرَّطَ فِیْهِ نَدِمَ اَشْهَدُ اَنَّکَ مُجَازِی الْخَلْقِ وَشَافِعُ الرِّزْقِ وَالْحَاکِمُ بِالْحَقِّ بَعَثَکَ اللّٰهُ عَلَمًا بِعِبَادِهٖ فَوَفَّیْتَ بِمُرَادِهٖ وَجَاهَدْتَ فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ فَصَلَّی اللّٰهُ عَلَیْکُمْ وَجَعَلَ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْکُمْ فَالْخَیْرُ مِنْکَ وَاِلَیْکَ عَبْدُکَ الزَّائِرُ بِحَرَمِکَ اللَّائِذُ بِکَرَمِکَ الشَّاکِرُ لِنِعَمِکَ قَدْ هَرَبَ اِلَیْکَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَرَجَاکَ لِکَشْفِ کُرُوْبِهٖ فَاَنْتَ سَاتِرُ عُیُوْبِهٖ فَکُنْ لِیْ اِلَی اللّٰهِ سَبِیْلًا وَمِنَ النَّارِ مُقِیْلًا وَلِمَا اَرْجُوْ فِیْکَ کَفِیْلًا اَنْجُوْ نَجَاةً مَنْ وَصَلَ حَبْلَهٗ بِحَبْلِکَ وَسَلَکَ بِکَ اِلَی اللّٰهِ سَبِیْلًا فَاَنْتَ سَامِعُ الدُّعَاءِ وَوَلِیُّ الْجَزَاءِ عَلَیْنَا مِنْکَ السَّلَامُ وَاَنْتَ السَّیِّدُ الْکَرِیْمُ وَالْاِمَامُ الْعَظِیْمُ فَکُنْ بِنَا رَحِیْمًا یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ۔

نوٹ:۔ یہ زیارت ۱۹۴۰ء کے بعد طبع ہونے والے "تحفۃ العوام" میں درج نہیں کی گئی۔

(اللہ کے ولی مطلق کی یہ زیارت دل کا خیبر فتح کرتی ہے)۔

ترجمہ زیارتِ ششم امیرالمومنینؑ

☆ سلام ہو آپؑ پر اے اماموں کے باپ اور نبوت کی کان اور (نبی کریم صلعم کے ساتھ) مواخاۃ سے مخصوص۔

☆ سلام ہو دین اور ایمان کے محور پر، کلامِ رحمٰن پر اور مخلوق کی پناہ گاہ پر۔

☆ سلام ہو اعمال کی ترازو پر اور حالات کے تبدیل کرنے والے پر اور ذی الجلال کی تلوار پر۔

☆ سلام ہو صالح المومنینؑ پر، انبیاء کے علم کے وارث پر اور یومِ قیامت کے حاکم پر۔

☆ سلام ہو شجرِ تقویٰ پر اور رازوں اور بھیدوں کے سننے والے پر اور من وسلویٰ کو نازل کرنے والے پر۔

☆ سلام ہو اللہ کی حجت کاملہ پر اور نعمت کامل پر اور قادر انتقام وسزا پر۔

☆ سلام ہو اُمت کے سردار پر اور درِ رحمت پر اور اماموں کے باپ پر۔

☆ سلام ہو اللہ کی واضح صراط پر، چمکتے ہوئے ستارہ پر، امام ناصح اور کامیاب انسان پر۔

☆ سلام ہو وجہُ اللہ پر جس پر ایمان باعثِ امن وسلامتی ہے۔

☆ سلام ہو اُس نفس اللہ پر جو سنتِ الٰہی پر قائم ہے، اُس عین اللہ پر جس کی معرفت باعثِ اطمینانِ قلب ہے۔

☆ سلام ہو اللہ کے کان پر جو اُمت کی دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے اور اللہ کے ہاتھ پر جو نعمتوں کو پھیلانے والا ہے اور اللہ کے پہلو پر جسے جس نے کمتر جانا وہ نادم ہوا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ خلق کو جزا دینے والے، رزق کے بخشنے والے اور حاکم بالحق

ہیں۔ اللہ نے آپؑ کو اپنے بندوں پر اپنا نشان بنا کر (ہدایت کے لئے) مبعوث کیا اور آپؑ نے اللہ کی مراد کو پورا کر دیا اور جہاد فی اللہ کا حق ادا کر دیا پس اللہ آپؑ پر درود و سلام نازل کرے۔

اللہ آپؑ کو لوگوں کے لئے مرجع و مرکز بنائے۔ خیر آپؑ کی طرف سے ہے۔ آپؑ کا ہر زائرِ حرم آپؑ کی طرف آتا ہے۔ وہ بھی آپؑ کی طرف آتا ہے جو آپؑ کے فضل و کرم کا متلاشی ہے اور وہ جو نعمتوں پر شاکر ہے اور وہ بھی جو گناہوں سے فرار حاصل کر کے آپؑ کی طرف متوجہ ہے اور آپؑ سے امید وار ہے کہ اُس کو مصیبتوں سے نجات دلائیں پس آپؑ اس کے عیبوں پر پردہ ڈالنے والے ہیں۔

آپؑ میرے لئے اللہ کا راستہ (سبیل) بن جائیں اور دوزخ کی آگ سے نجات دلانے والے ہو جائیں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آپؑ روزِ قیامت میری کفایت فرمائیں اور امید وار ہوں کہ آپؑ مجھے نجات دلائیں۔ جس نے اپنی رسّی آپؑ کی رسّی سے جوڑی اور آپؑ کے ساتھ اللہ کے راستہ پر چلا تو آپؑ دعا کے سننے والے اور مالکِ جزاء ہیں۔ آپؑ ہم پر سلامتی نازل فرمائیں۔ آپؑ سید کریم اور امامِ عظیم ہیں پس آپؑ ہم پر رحم فرمائیں۔ یا امیر المومنینؑ! آپؑ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکات ہوں۔

مترجم
سید ناصر عباس باقری

سلام حضرتِ حجتؑ بمطابقت

زیارت ناحیہ

اب زیارت ناحیہ کے اتباع میں لکھا ہوا نظم میں ایک سلام ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ اس کا یومیہ ورد اگر ہر شب جاری رکھیں تو بہت مفید ہوگا۔ سلام حسب ذیل ہے۔ حضرت حجتؑ کی طرف دل سے توجہ کر کے کہیں۔

ولیِ خلقِ خدا ہم سلام کرتے ہیں
سلام نذر یہ سارے غلام کرتے ہیں
ہمیشہ یاد تری صبح شام کرتے ہیں
یہ ورد نام کا تیرے مدام کرتے ہیں

ولی ہمارے ہمارا سلام تجھ پہ ہو
خدا کے پیارے ہمارا سلام تجھ پہ ہو

سلام تجھ پہ بھی اور تیرے سارے آباؑ پر
علی الخصوص سلام اس غریب آقاؑ پر
شہید جور و جفا بے دیار مولاؑ پر
حسینؑ بے کس و مظلوم ابنِ زہراؑ پر

سلام ظلم سے غربت میں مرنے والے پر
رسولؐ پاک کے کاندھوں پہ چڑھنے والے پر

سلام اس پہ نبوتؐ تھی جس کی اسواری
ملی جوانوں کی جنت کے جس کو سرداری
ہمارے واسطے جس نے ہے جان تک واری
سرِ بریدہ سے جس کے لہو رہا جاری

سلام اس پہ جسے عشق یہ ہمارا تھا
ہمارے واسطے ہر درد و غم گوارا تھا

سلام اس پہ جو خاک و خون میں تڑپا　　سلام اس پہ جو پانی کو تین دن ترسا

سلام اس پہ کہ تیروں کا جس پہ مینہ برسا　　سلام اس پہ بنے خاک و خون جس کی ردا

سلام اس پہ کئی دن سے جو پیاسا تھا

سلام اس پہ کہ جینے سے جو زرا سا تھا

سلام اس جسدِ پاش پاش پر پہنچے　　کہ جس کو ظلم کی تیغوں سے کر دیا ٹکڑے

سلام اس پہ نہ جس کے کسی نے زخم سیئے　　نہ زخمہائے بدن کا شمار تھا جس کے

سلام ہو ابدی اس سرِ بریدہ پر

کہ جس نے پائی ہے معراج نوکِ نیزہ پر

سلام اس پہ کہ جس کا قفا سے سر کاٹا　　سلام اس پہ کہ جس کا لباس لوٹ لیا

سلام لاشِ معطر پہ جو ہوئی مثلہ　　سلام اس پہ کہ گھوڑوں سے جس کو روند دیا

سلام اس پہ کہ یہ ظلم جس کے ساتھ کیے

انگشتری کے لیے قطع جس کے ہاتھ کیے

سلام اس تنِ بے سر پہ خاک پر جو رہا　　سلام اس پہ، نہ تھا جس کی لاش پر سایہ

سلام اس پہ کہ اسباب جس کا لوٹ لیا　　سلام اس پہ کہ جس کے حرم کو قید کیا

وہ شاہ جس کے یتیموں کے دُر اتار لیے

وہ جس کی بچی کے رُخ پر طمانچے مار لیے

سلام اس پہ کہ جس کے جلا دیئے خیمے　　سلام اس پہ حرم جس کے سر برہنہ پھرے

سلام اس پہ کہ جس کے پسر پہ ظلم ہوئے　　گلے میں طوقِ گراں بیڑیوں میں رہے

سلام اس پہ ہمارا، جسے کفن نہ ملا

سلام اس پہ، کبھی جس کے سر سے تن نہ ملا

سلام اس پہ جو بیووں کا ساربان بنا — سلام گردنِ نازک میں جس کے طوق پڑا

سلام اس پہ جو کانٹوں پہ ننگے پاؤں چلا — غریب و مضطر و بیکس مریضِ آلِ عباؑ

تکان و ضعف و نقاہت سے غش جو آتے تھے

تو اس کی پشت پہ دُرّے لگائے جاتے تھے

ہزار بار سلام اُس سرِ مقدّس پر — جو ابتدا میں رہا سیّدہؑ کے سینے پر

جسے لگاتے تھے چھاتی سے اپنی پیغمبرؐ — رکھا جو رہتا تھا اکثر نبیؐ کے شانے پر

وہ سر کہ جس کی قسم جبرئیل کھاتے تھے

ملائکہ بھی زیارت کو جس کی آتے تھے

کٹا جو سجدۂ پروردگار میں وہ سر — ہر ایک بام سے جس پر برستے تھے پتھر

رکھا تھا خولی نے جس کو تنور کے اندر — سرِ حسینؑ کہاں اور کہاں یزید کا در

سلام اس پہ جو نذرِ شراب خوار ہوا

وہ سر جو باعثِ تفریحِ اہلِ نار ہوا

رسولؐ چومتے تھے جن لبوں کو اُن پہ سلام — وہ لب کہ جن پہ سدا رہتا تھا خدا کا کلام

وہ جن کا آہ یہ حسرت بھرا ہوا انجام — چھڑی سے بید کی کھیلا کیا امیرِ شام

کُل انبیاءؑ و رُسُل کا سلام اُن پر ہو

نزولِ رحمتِ باری مدام اُن پر ہو

سلام اُس پہ کہ جس کی بہنؑ ہوئی تشہیر — عدو نے جس کے حرم کی نہ کی کوئی توقیر

وہ ننگے سر انہیں بلوے میں لے گئے بے پیر — امیرِ شام کا دربار و زینبؑ دل گیر

مخدرات نے پشتوں پہ نیزے کھائے ہیں

ہمارے واسطے سارے یہ دُکھ اُٹھائے ہیں

رسن سے شانے جو باندھے گئے تھے اُن پہ سلام — وہ اک رسن میں جو بارہ گلے تھے اُن پہ سلام

ہجومِ عام میں جو سر کھلے تھے اُن پہ سلام — جو قیدِ ظلم میں دَر دَر پھرے تھے اُن پہ سلام

مخدرات جو بازارِ شام میں آئیں

سلام اُن پہ جو دربارِ عام میں آئیں

ادیم وقتِ اجابت ہے اب دعا کر لے — بکا کا جوش ہے دل کھول کر بکا کر لے

درِ کریم ہے وا عرض مدعا کر لے — بصدقِ دل طلب مرضیٔ خدا کر لے

جھکا دے سر کہ ولائی یونہی جھکاتے ہیں

درِ کریم سے جو مانگتے ہیں پاتے ہیں

تصانیف

۱۔ جاہلیت کی موت

اس میں معرفتِ امام زمانہ کا حکم، عدم معرفت کی حالت میں موت اور بعد از مرگ مدت نامعلوم تک روح فرسا انجام اور اس سے محفوظ رہنے کے لئے عمل۔ قارئین اس فکر انگیز حقیقت سے دوچار کرا دینے والے مختصر رسالہ کو بغور پڑھ کر خود فیصلہ کریں کہ ہم کیسی غفلت ولاشعوری کی زندگی گزار رہے ہیں۔

۲۔ جہاد فی اللہ

بعض حقائق کا انکشاف، علم جو نور ہے، اس کی طلب مومنین اور مومنات پر فرض کیوں ہے؟

اہلِ البیت کو ذبح عظیم پیش کرنے کے قرآن میں احکامات پر مفصل بیان۔

حدیث عشق دو باب است کربلا و دمشق　　یکے حسینؑ رقم کرد و دیگرے زینبؑ

۳۔ ہل من ناصر ینصرنا

امامِ مظلوم کی یہ صدائے استغاثہ تیرہ سو سال سے فضائے بسیط میں گونج رہی ہے اور اس کی یاد بھی برابر تازہ ہوتی رہتی ہے مگر کیا کسی نے اس استغاثہ کا اصل مفہوم معلوم کرنے کی کوشش کی؟

ینصرنا: مضارع کا صیغہ ہے جو زمانہ حال اور استقبال دونوں پر دلالت کرتا ہے۔ جس سے نصرت حسینی قیامت تک آنے والے متوسلین آلِ رسولؑ پر لازم و واجب ہو جاتی ہے تو پھر آج ہم اس استغاثہ پر لبیک کیوں کر کہیں؟

بعثتِ رسول کا مقصد، جھوٹی اور موضوعہ روایات جو مذہب کا جُزو ایمانی بن چکی ہیں اُن سے کیسے چھٹکارا ہو وغیرہ وغیرہ ۔۔۔۔۔۔ یہ سب کچھ اس مختصر رسالہ میں ملے گا۔

۴۔ خونِ ناحق

آلِ رسولؑ کی قربانیوں اور ذبحِ عظیم کے اثرات کو ضائع ہونے سے کس طرح بچایا

ن ناحق

ے؟ ہماری موجودہ طرزِ عزاداریٔ امامِ مظلوم میں روحِ حقیقتِ غم کا فقدان یا عدم استقرارِ کیفیتِ غم کیوں

ہے؟ فرزندِ رسولؐ، دلبندِ مرتضیٰؑ و بتولؑ، مظلوم کربلاؑ کے لئے ہم پر (ماسوائے مستثنیات) کم سے کم تھوڑے ہی

قفہ کے لئے وہ کیفیت درد والم طاری کیوں نہیں ہوتی جو اپنی اولاد، قریبی اعزا اور محبوب احبا کی موت پر ہوتی

ہے؟ بکا علی الحسین اور بکا علی البنین میں امتیاز کیسے کیا جائے؟ دعویدار محبانِ اہلؑ بیت کو خاتونِ جنت مادر گرامی

بّر و شبیرؑ سردارانِ جنت کے سامنے ندامت و حسرتِ اُخروی سے بچنے کے لئے کیا عمل کرنا چاہیئے؟ وغیرہ وغیرہ

نکات و جوابات اس کتاب میں دیکھئے۔ اقبال کہتے ہیں۔

"رمزِ قرآں از حسینؑ آموختیم   زآتشِ اُو شعلہ ہا اندوختیم

۵۔ مجالس الصادقین

چودہ مجالس اس آیت پر "یاایھاالذین آمنو اتقو اللہ و کونوامع الصّادقین" اس

طرح ترتیب دی گئی ہیں کہ ہر مکتبِ فکر سے ایک عام سمجھ بوجھ کا انسان بھی مطالعہ کرنے کے بعد یقین کے ساتھ

کہہ سکتا ہے کہ "صادقین" سے مراد چہاردہ معصومینؑ کے علاوہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ ان مجالس کا رنگ ہماری

مروجہ مجالس سے جداگانہ ہے۔ ہمارے نوجوانوں کی واقفیت اور ضروری علم کے لئے تاریخِ اسلام کے اہم حصّے

ہر مجلس میں شامل کئے گئے ہیں۔ تقیہ کی حقیقت کا راز پہلی مرتبہ کھولا گیا ہے اور اسی طرح مقصدِ ذبحِ عظیم کے

حیران کن رازوں کا انکشاف بھی کیا گیا ہے۔ کیفیاتِ نفسِ انسان کا بیان اور آخر میں مصائب میں "اپنی

طرف سے پُرسہ دینا اور اپنی طرف سے بین کرنا"۔ ان مجالس میں وہ فیضِ علم ہے جو ہم کو فی زمانہ کسی مجلس میں

نہیں ملتا۔

۶۔ راہِ ارم

یہ سیدھے سادے آسان فہم درد انگیز نوحوں کا مجموعہ ہے۔ جس کے ہر نوحہ میں مقصدِ ذبحِ عظیم

کو پیش کیا گیا ہے۔ اقبال کا یہ شعر یہاں صادق آتا ہے۔

الفاظ کے پیچوں میں اُلجھتے نہیں دانا   غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

۷۔ مشعلِ نور

اس عجیب و غریب مرثیے میں جو ۲۱۳ بندوں پر مشتمل ہے، کیفیاتِ نفسِ انسان، تجزیہ نفس

کو عام فہم الفاظ وتمثیلات میں رقم کیا گیا ہے۔ایک طالب کے لئے منزلِ معرفت کی راہوں کی واضح نشاندہی
کردی گئی ہے۔غمِ حسینؑ کو اپنا لینے سے وہ نور ملتا ہے جو اسی زندگی میں حیاتِ ابدی کا خالق ہے۔اس چھوٹی
سے کتابِ معرفت میں خدا و اہل البیتؑ کی ہدایت وتعلیم کو انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ان اشعار
میں شاعری کم اور فقرِ مولائے کائنات کی جھلک زیادہ نمایاں ہے۔

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے   وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روحِ قرآنی

(اقبالؒ)

۸۔ محسنِ عالم

ہر ایک مسدس میں اُصولِ فطرت کے مطابق فضائل ومصائبِ اہلِ بیتؑ بیان کئے گئے
ہیں۔نفسِ انسان پر جو گزرتی ہے اسے معرفت کے رنگ میں دیکھیے۔اقبال نے۔

"نقش الا اللہ بر صحرا نوشت   سطرِ عنوانِ نجات ما نوشت"

میں جو کچھ کہہ دیا ہے وہ تفصیل کے ساتھ "محسنِ عالم" میں ملاحظہ فرمایئے۔

۹۔ مدحِ اولیاء

چودہ سو (۱۴) سال میں اہلُ البیتؑ کی مدح میں جتنے قصائد لکھے گئے ہیں وہ فضائلِ ظاہری تک محدود
رہے اور ان سے چہاردہ معصومینؑ سے صادر ہونے والے اُمور میں کسی ایک علّت یا اس کا مقصد بھی ظاہر نہیں
ہوا۔ان میں سے بعض اُمور تو ایسے ہیں جن پر غور کرنے سے ذہنوں میں وساوس پیدا ہو جاتے ہیں جن کا رفع
کرنا ضروری تھا۔پس اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے "مدحِ اولیا" میں یہ قصائد لکھے گئے ہیں۔ان میں اہل
البیتؑ سے صادر ہونے والے اُمور کی علّتیں،حقیقی مقاصد اور فضائلِ باطنی کا انکشاف کیا گیا ہے۔پڑھتے وقت
اقبال کا یہ شعر بھی پیشِ نظر رہے۔

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ   کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ میخانہ

۱۰۔ اہل البیتؑ

اس تصنیف میں رازہائے سربستہ سے پردہ اُٹھا کر صدیوں بعد مذہبِ حقّہ کا وہ آئینہ ہمارے
سامنے کردیا گیا ہے جس میں دینِ اہل البیتؑ کے اصلی خدوخال صاف اور روشن نظر آتے ہیں۔مقصد بحث

رسولؐ تو تزکیۂ نفس ہے۔ جس کے ذریعہ وہ ہمیں پاک کریں۔ علم و حکمت سکھائیں اور اسی زندگی میں حیاتِ ابدی بخش دیں۔ معرفتِ نفس ہی اصل دین ہے۔ "مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ" اور یہی تعلیم اہل البیتؑ ہے لیکن ہمارے مروّجہ مذہب میں بدقسمتی سے پوپ ازم کچھ اس صورت میں دبے پاؤں در آیا اور آنے والی نسلوں کے دماغوں پر مسلط ہوگیا کہ تزکیۂ نفس کو اک امرِ محال تصور کرکے حرفِ غلط کی طرح مٹا دینے کی کوششیں کی گئیں۔ متشابہات پر عقائد کی بنیاد رکھ کر روایات و من مانی تفاسیر کا تانا بانا کچھ اس طرح بُن دیا گیا ہے کہ نفس خود بخود موٹا ہوتا چلا جائے حتیٰ کہ ہم جاہلیت کی موت سے ہمکنار ہو جائیں۔ اصل حقیقت اس کتاب کے تدبر کے ساتھ پڑھنے سے ہی معلوم ہو سکے گی۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

۱۱۔ الحسین والبکاء

یہ اصول تصنیف مکالموں کی صورت میں ہے اور حق کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دیتی ہے کہ ہم کس طرح نفس کے جال میں پھنس کر مذہبی جنونی بنے ہوئے ہیں اور حق سے دور ہیں۔

(ادارۂ رجوب الطالبین)